نہرو بال پستکالیہ
آزادی کی کہانی
(دوسرا حصہ)
NEHRU
BAL PUSTAKALAY

نہرو بال پستکالیہ — ۲۰

آزادی کی کہانی

(حصہ دوم)

مصنف: سمنگل پرکاش

مصور: پی کھیم راج

مترجم: انور کمال حسینی

نیشنل بُک ٹرسٹ، انڈیا

نئی دہلی

جنوری ۱۹۷۳ء (پوسا ۱۸۹۴)

قیمت ۱/۵۰

ORIGINAL TITLE: SWARAJYA KI KAHANI PART II (HINDI)
URDU TRANSLATION: AZADI KI KAHANI (PART II)

فوٹو بشکریہ پبلی کیشن ڈویژن، وزارتِ اطلاعات ونشریات

تقسیم کار
مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی ۲۵، دہلی ۶، بمبئی ۳، علی گڑھ ۲

ڈائریکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا ۵-اے گرین پارک نئی دہلی ۱۶ نے
ریکھا پرنٹرز (پرائیویٹ) لمیٹڈ نئی دہلی میں چھپوا کر شائع کیا

وندے ماترم

بنارس کی سڑکوں پر بھیڑ اُمڈی پڑ رہی تھی۔ بہت بڑا جلوس گاندھی جی کی جے' اور 'وندے ماترم' کے نعرے لگاتا ہوا گزر رہا تھا۔ لوگوں میں بے حد جوش تھا۔ ۱۹۱۹ء کے جلیانوالہ باغ کے قتل عام اور پنجاب میں کیے گئے ظلموں کی دل ہلا دینے والی مکمل خبریں لوگوں میں سال ڈیڑھ سال بعد پھیل گئی تھیں جن سے عوام بے حد بھڑک اُٹھے تھے۔ ہزاروں گلوں سے نکلنے والے نعرے آسمان ہلا رہے تھے۔ اچانک پولیس اُن پر ٹوٹ پڑی اور گرفتاریاں شروع ہوگئیں۔ بھیڑ میں تیرہ چودہ سال کا ایک لڑکا بھی تھا جو بڑے جوش کے ساتھ 'وندے ماترم' کا نعرہ لگا رہا تھا۔ پولیس نے اُسے بھی پکڑ لیا۔

یہ واقعہ ۱۹۲۱ء کا ہے جب گاندھی جی کی سربراہی میں عدم تعاون کا اندولن زور پکڑ رہا تھا۔

جس لڑکے کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اس کا نام تھا چندر شیکھر۔ مجسٹریٹ کے سامنے جب اُسے پیش کیا گیا، اور اُس کا نام پوچھا گیا تو اس نے غرور سے سر اُٹھا کر کہا "آزاد"۔ اُسے کوڑوں کی سزا دی گئی۔

جیل میں اس لڑکے کو ننگا کر کے کوڑے لگائے جانے لگے۔ پہلے کوڑے ہی کی چوٹ سے وہ تلملا اٹھا لیکن اسی دم اس نے نعرہ لگایا۔" وندے ماترم "

کوڑے پر کوڑے پڑتے چلے گئے۔ ہر کوڑے کے بعد وہ لڑکا اور بھی زور سے چلاتا گیا 'وندے ماترم'۔ یہاں تک کہ مار کھاتے کھاتے وہ بے ہوش ہوگیا۔

کوڑوں کی اس مار نے سچ مچ ہی اس لڑکے کو ہر فکر سے آزاد کر دیا۔ تب سے اُسے کڑی سے کڑی سزا کا بھی ڈر نہیں رہا۔ یہ بہادر لڑکا آگے چل کر چندر شیکھر آزاد کے نام سے مشہور ہوا۔ ان کی بہادری کی باتیں آگے آئیں گی۔

آزادی کی کہانی کے پہلے حصے میں بتایا جا چکا ہے کہ ۱۹۰۵ء میں بنگال کی تقسیم کے بعد ملک میں آزادی کی زبردست لہر دوڑ گئی تھی۔ ایسے رہنماؤں کی جو انگریز سرکار کے حق میں تھے، طاقت گھٹتی جا رہی تھی۔ باغیوں کی کارروائیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ وہ چُن چُن کر ایسے انگریز افسروں کو قتل کر ڈالتے تھے جو اپنے ظلموں کے لیے بدنام تھے۔ دوسری طرف لوکمانیہ تلک' لالہ لاجپت رائے

بپن چندر پال جیسے نیتاؤں کا ملک میں اثر بڑھ رہا تھا جو کھل کر عوام کو انگریزی حکومت کے خلاف اُبھار رہے تھے۔ برٹش سرکار کو اس سے گھبراہٹ ہوئی اور وہ ظلم پر اُتر آئی اور اُس نے چھانٹ چھانٹ کر بڑے بڑے نیتاؤں کو پکڑنا اور جیلوں میں بند کرنا شروع کر دیا۔

عوام میں اس سے اور بھی غیر اطمینانی بڑھی۔ آخر سرکار کو جھکنا پڑا۔ تقسیم بنگال کو رد کر دیا گیا اور عوام کی جیت ہوئی۔

کچھ مدت بعد ہی ۱۹۱۴ء میں یورپ میں جنگِ عظیم چھڑ گئی جو چار سال تک چلی۔ لڑائی کا خرچ چلانے کے لیے ہندوستان کا سارا خزانہ کھنچ کھنچ کر انگلینڈ جانے لگا۔ لڑائی کے لیے ہندوستان میں امیروں اور غریبوں سے بڑی بڑی رقمیں وصول کی جانے لگیں۔ پھر مہنگائی بھی بڑھتی ہی چلی گئی۔ کھانے پینے کی چیزوں کی قیمتیں بھی چار گنا بڑھ گئیں۔

یورپ میں جب لڑائی چھڑی تو ہندوستان کے باغیوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ لالہ ہردیال، راجہ مہندر پرتاپ سنگھ، عبیداللہ وغیرہ باغی رہنما ہندوستان کے باہر تھے۔ انھوں نے جرمنی سے مل کر ہندوستان میں پوشیدہ طور سے ہتھیار بھیجنے کی تیاری کر ڈالی۔ امریکہ میں رہنے والے پنجابی بھی وہاں غدر پارٹی بنا چکے تھے۔ غیر ملکوں میں جہاں جہاں بھی ہندوستانی گئے تھے اُنھوں نے پوشیدہ طور سے ہی باغی گروہ میں شامل ہونا شروع کر دیا گیا۔ ہتھیار خریدنے کے لیے بھی وہاں چندے کیے گئے اور بنگال کے باغیوں کے پاس ہتھیار پہنچائے جانے لگے۔

ہندوستانی باغیوں نے فروری ۱۹۱۵ء میں ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے کی پوری تیاری کر ڈالی۔ ان کے رہنما تھے راس بہاری بوس اور جتین مکرجی۔ یورپ کی لڑائی میں ہندوستانی فوجیں تیزی کے ساتھ بھیجی جا رہی تھیں جس سے یہاں کافی کم فوج رہ گئی تھی۔ گوروں کی گنتی تو بس نام ہی کی تھی۔ حکومت بدلنے کے لیے اس سے اچھا موقع نہیں ہو سکتا تھا لیکن مقررہ دن سے پہلے ہی سرکار کو اس بغاوت کا پتہ چل گیا۔ باغیوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ پنجاب سے لے کر بنگال تک مجرموں اور بے گناہوں پر طرح طرح کے ظلم ہونے لگے

آخر بغاوت ناکام ہو گئی اور باغی رہنما جتین مکرجی لڑتے لڑتے مارے گئے۔ راس بہاری بوس گرفت میں نہیں آ پائے۔ کسی نہ کسی طرح وہ جاپان بھاگ گئے۔

لیکن سرکاری ظلم جتنا بڑھتا گیا لوگوں کا غصہ بھی اتنا ہی بڑھتا گیا۔

بال گنگا دھر تلک اپنی سزا پوری کر کے جنگِ عظیم شروع ہوتے ہی باہر آ چکے تھے۔ وہ اتنے مقبول تھے کہ لوگوں نے اپنی عقیدت میں انھیں "لوکمانیہ" کا خطاب دے ڈالا تھا۔ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ میں کانگریس کی جو میٹنگ ہوئی اس میں نرم دَل کی کچھ بھی نہ چل پائی اور کانگریس پر وطن پرستوں کا پھر سے قبضہ ہو گیا۔ اسی کانگریس میں ہندوستان کے ہندو اور مسلمان رہنماؤں نے مل کر برٹش سرکار کے سامنے ہندوستان میں ہندوستانیوں کی حکومت قائم کرنے کے واسطے ایک تجویز پیش کی۔

لوکمانیہ بال گنگا دھر تلک

انھوں نے انگریزوں کو یقین دلایا کہ اگر لڑائی ختم ہوتے ہی وہ ہندوستان کو حکومت کے اختیارات دے دینے کا وعدہ کریں تو ہندوستانی بھی لڑائی میں انگریزوں کی مدد کے لیے کھلے دل سے میدان میں کود پڑیں گے۔

اس دوران ایک نئی بات ہوئی ہندوستان میں ایک بہت قابل اور بوڑھی آئرش لیڈی رہتی تھیں جن کا نام تھا اینی بیسنٹ۔ ہندوستان سے انھیں بڑی محبت اور یہاں کے مذاہب

سے انھیں بڑی عقیدت تھی۔ انھوں نے بھی اب ہندوستان پر ہندوستانیوں کی حکومت کی مانگ کے لیے ہوم رول لیگ نام کی ایک کمیٹی بنائی اور سارے ہندوستان کا دورہ کیا۔ اس نام کی ایک کمیٹی لوکمانیہ تلک نے بھی قائم کی۔ ایک غیر ملکی عورت کے اس کام سے وطن پرستوں کی ہمت اور بھی بڑھنے لگی۔ ۱۹۱۷ء تک، جب کہ یورپ کی لڑائی کو چھڑے تین سال ہو چکے تھے اور انگریزوں کی ہار ہی ہار ہوتی جا رہی تھی، سوراجیہ کی مانگ نے بہت زور پکڑ لیا۔ سرکار نے اینی بیسنٹ اور

اینی بیسنٹ

لوکمانیہ تلک کے بڑھتے ہوئے اثر کو روکنے کے لیے طرح طرح کے قدم اُٹھائے مگر نتیجہ الٹا ہی نکلا۔

آخر برٹش سرکار گھبرا گئی۔ اگست ۱۹۱۷ء میں اس نے حکومت میں ہندوستانیوں کو بھی کچھ حصّہ دینے کا اعلان کیا۔ یہ اعلان وطن پرستوں کے لیے اطمینان بخش تو نہیں تھا مگر اس سے ان کا غصّہ کچھ کم ضرور ہو گیا۔

۱۹۱۸ء میں جنگِ عظیم ختم ہوئی اور انگریزوں کی جیت ہوئی لیکن انھوں نے اب ہندوستانیوں کو ہندوستان کی حکومت میں حصّہ دینے کا جو پروگرام بنایا اس سے ہندوستان میں سب ہی ناامید ہو گئے۔ انھوں نے اس سے کہیں زیادہ کی امید کی تھی۔

پھر بھی وطن پرستوں نے فیصلہ کیا کہ جتنے بھی حقوق ملیں انھیں لے کر ہی آگے بڑھا جائے۔

رولٹ قانون اور جلیانوالہ باغ

لیکن ہندوستان کے انگریز افسر جلے بھُنے بیٹھے تھے۔ جنگِ عظیم کے وقت یہاں کے باغیوں اور وطن پرستوں کی وجہ سے انھیں جو پریشانی ہوئی تھی اس کا وہ بدلہ لینا چاہتے تھے۔ باغیوں کی خاموش کارروائیوں کو دبانے کے بہانے اب انھوں نے "رولٹ قانون" نام کا ایک سخت قانون بنایا جس کے سہارے کسی کو بھی بغیر مقدمہ چلائے جیلوں میں بند کر دیا جاتا تھا۔ یہ قانون کیا بنا گویا سرکاری افسروں کو ہندوستانی شہریوں کے ساتھ من مانی کرنے کی چھوٹ مل گئی۔

سارے ہندوستان نے ایک ہو کر اس کالے قانون کے خلاف آواز اٹھائی۔

اسی زمانے میں مہاتما گاندھی نے پہلے پہل اہنسا اور ستیہ گرہ کے ہتھیار استعمال کرنے کی صلاح دی۔ ستیہ گرہ جیسے عظیم ہتھیار کا استعمال وہ شمالی افریقہ میں بڑی کامیابی کے ساتھ کر چکے تھے۔ مختصراً اس کا مطلب ہے: ظلم کرنے والے سے ڈرنا نہیں اور جوابی حملہ کیے بغیر اپنے سچے حق کے لیے ڈٹے رہنا۔ ان کا مقصد تھا ایک ظالم کے دل میں سوئے ہوئے نازک احساسات

کو جگانا اور دوسرے اپنی بے خوفی سے سبھی ستائے گئے لوگوں میں نڈرپن پیدا کر دینا۔

سُننے والے ہنستے تھے کہ یہ بھی کیا لڑائی کا کوئی طریقہ ہے؟ مگر گاندھی جی نے شمالی افریقہ میں ہندوستانیوں پر کیے جانے والے ظلموں کا اسی طرح مقابلہ کیا تھا اور ستیہ گرہیوں کی ایک فوج تیار کر لی تھی۔ چپ چاپ ہاتھ باندھے ہوئے وہ لوگ پولس کے ڈنڈے کھاتے تھے اور ہنستے ہنستے جیل چلے جاتے تھے۔ سننے اور دیکھنے والے دنگ رہ گئے جب انھوں نے ان نہتے ستیہ گرہیوں کو صرف سچ کے سہارے لڑتے دیکھا۔

جنگِ عظیم کے دنوں میں گاندھی جی اپنے وطن لوٹ آئے۔ ستیہ گرہ میں یقین رکھنے والے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر انھوں نے گجرات میں اپنا ستیہ گرہ آشرم کھولا۔ ہر طرح کی بے انصافی اور ظلموں کے خلاف دھیرے دھیرے وہ یہاں بھی ستیہ گرہ کے ہتھیار کا استعمال کرنے لگے۔ بہار کے چمپارن ضلع کے کسانوں سے نیل کی کھیتی کرنے والے نلہا انگریز بڑا ظلم کرتے تھے۔ وہاں کے کسانوں کی پکار پر گاندھی جی ان کی لڑائی لڑنے وہاں جا پہنچے۔ انھیں چمپارن ضلعے سے نکل جانے کا حکم ہوا۔ گاندھی جی نے اسے نہیں مانا اور گرفتار ہو گئے۔ ۱۸ اپریل ۱۹۱۷ء کو ان پر ہندوستان میں پہلا مقدمہ چلا۔ انھوں نے اپنا جرم قبول کر لیا۔ انھوں نے کہا کہ سرکار کے حکم کو وہ اس لیے نہیں مان سکے کہ سرکار کے اوپر بھی ایک طاقت ہے جس کا حکم اس کے حکم سے بھی بڑا ہے۔

شمالی افریقہ میں گاندھی جی نے جو کچھ کیا تھا اس کے بارے میں یہاں کی سرکار بھی جانتی تھی۔ انھیں سزا دے کر لوگوں کو اور زیادہ بھڑکا دینے کی سرکار کی ہمت نہیں ہوئی۔ گاندھی جی رہا کر دیے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے کسانوں میں گھوم گھوم کر ان کے اوپر ہونے والے ظلموں کا پتہ لگایا۔ آخر ان کی رائے کے مطابق سرکار کو ایسا قانون بنانا پڑا جس سے کسانوں پر ہونے والے ظلم بند کر دیے گئے۔

لیکن یہ سب طریقے چھوٹے چھوٹے ہی تھے۔ کسی وطنی معاملے میں گاندھی جی ابھی تک ستیہ گرہ کا ہتھیار لے کر سرکار کے خلاف نہیں کھڑے ہوئے تھے۔
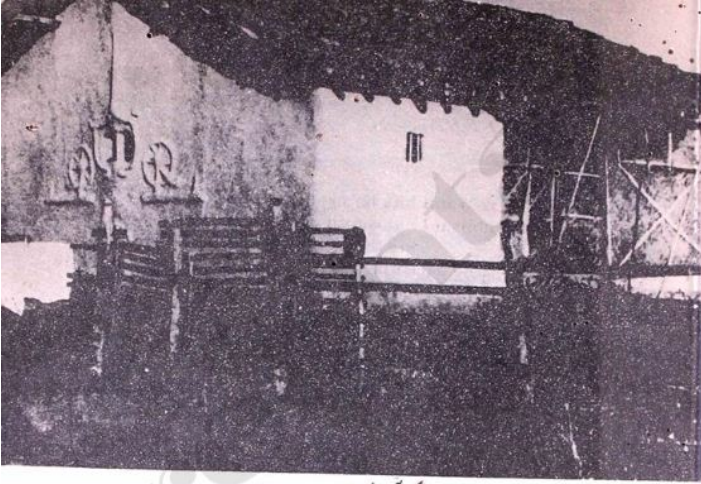
ستیہ گرہ آشرم

لیکن جنگِ عظیم کے بعد بنائے گئے رولٹ قانون نے گاندھی جی کو موقع دے دیا۔ انھوں نے کچھ ستیہ گرہیوں کو لے کر سرکار کے خلاف ستیہ گرہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ بات ۱۹۱۹ء کی ہے۔ سب شہریوں کی مدد پانے کے لیے انھوں نے ایک دن مقرر کیا۔ انھوں نے کہا کہ اس دن زیادہ سے زیادہ لوگ ایک دن کا برت رکھیں اور شام کو جلسہ کر کے اس کالے قانون کے خلاف مظاہرہ کریں۔ یہی دن ۶ اپریل کے ستیہ گرہ کے دن کے نام سے مشہور ہوا۔

بڑا جوش پیدا ہو گیا سارے ملک میں۔ پر گاندھی جی کی یہ بات لوگ بھول گئے کہ سرکار کے ظلموں کے خلاف انھیں پُرسکون رہنا ہوگا۔ کئی جگہ لوگ غصّے میں بھڑک اُٹھے اور پولس نے گولیاں چلائیں جس کی وجہ سے کتنے ہی مرے اور گھائل ہوئے۔ سرکار نے اور بھی ظلم کرنے شروع کر دیے۔ خاص طور سے پنجاب میں، جہاں اُسے بغاوت کا سب سے

زیادہ ڈر تھا۔ لڑائی میں سب سے زیادہ لوگ وہیں سے بھرتی ہوئے تھے۔ انھوں نے مورچے پر جو بہادری دکھائی تھی اُس سے یورپ کے لوگ بھی اچنبھے میں رہ گئے تھے مگر انگریز سرکار ان فوجیوں کو زیادہ بڑھاوا نہیں دینا چاہتی تھی۔ اُسے ڈر تھا کہ اگر انھوں نے فوج میں انگریزوں کے برابر حقوق مانگنے شروع کر دیے تو ہندوستانی وطن پرست بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ حکومت نے تیزی کے ساتھ پنجاب کے بڑے بڑے رہنماؤں کی گرفتاری شروع کر دی۔

لوگوں کا جوش اور بھی بڑھا۔ بڑے بڑے جلسے ہوئے۔ پنجاب سرکار نے اور بھی سختی کی تو کئی جگہ لوگ بے قابو ہو گئے۔ انگریزوں کو پکڑ پکڑ کر ان سے بدلہ لینے لگے اور قیمتی سرکاری سامان کو برباد کرنے لگے اور تب ہی ہوا جلیانوالہ باغ کا قتلِ عام!

۱۳راپریل کی شام کو امرتسر کے جلیانوالہ باغ نام کے ایک چھوٹے سے میدان میں عوام کا ایک جلسہ ہو رہا تھا۔ ہندوستانیوں کو ہمیشہ کے لیے سبق دینے پر تُلا ہوا ایک انگریز افسر جنرل ڈائر فوج کے ۱۰۰ ہندوستانی اور ۵۰ گورے افسروں کو لے کر وہاں جا پہنچا تقریباً ۲۰ ہزار لوگوں کی نہتی بھیڑ تھی۔ بچّے بھی، بوڑھے بھی، عورتیں بھی۔ اس نے گولی

آنسو گیس چھوڑی جا رہی ہے
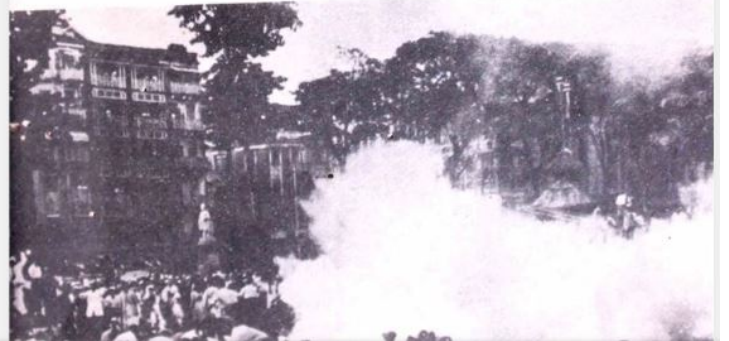
چلانے کا حکم دیا، پہلے سے خبردار کیے بغیر، جلسے کو تتر بتر ہونے کا موقع دیے بغیر اور کسی کو بھی وہاں سے چلے جانے کا راستہ نہ دے کر۔ حقیقت میں وہ انگریز افسر وہاں پہنچا ہی تھا انھیں گولیوں سے بھون دینے کے لیے۔ اس موقعے کو وہ ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ چھوٹا سا میدان سب ہی طرف سے مکانوں کی اونچی اونچی دیواروں سے گھرا ہوا تھا۔ باہر نکلنے کا ایک ہی راستہ تھا جو بہت ہی تنگ تھا، اتنا تنگ کہ اپنے ساتھ جنرل ڈائر جو فوجی گاڑی لے گیا تھا وہ بھی اندر نہیں آ سکی۔ اگر وہ گاڑی اندر پہنچ جاتی تو شاید مشین گنوں سے سب ہی کو بھون ڈالا جاتا اور ایک آدمی بھی زندہ نہ بچتا۔

سپاہی کی بندوقوں سے تڑاتڑ گولیاں چلیں۔ لوگوں میں بُری طرح بھگدڑ مچ گئی۔ مگر بھاگ کر جاتے کہاں؟ گولیاں لگاتار چلتی رہیں جب تک کہ وہ ختم نہ ہو گئیں۔ ۱۶۰۰ گولیاں جن سے سیکڑوں مرے اور ہزاروں گھائل ہوئے۔ اس سے بھی بڑا ظلم یہ کہ رات بھر وہاں سنتریوں کا پہرا رہا تاکہ گرے ہوؤں اور زخمیوں کو کوئی وہاں سے اٹھا کر نہ لے جانے پائے جس سے ان کی مرہم پٹّی ہو سکے۔

اس کے بعد ہی سارے پنجاب کو باقی سارے مُلک سے الگ کر دیا گیا تاکہ خبریں باہر نہ جا سکیں۔ پھر پورے پنجاب پر کچھ دنوں تک بلکہ ہفتوں تک جو ظلم ڈھائے گئے ان سے تو یہی لگتا تھا کہ پنجاب کے گورے افسر پاگل ہو گئے ہیں اور پنجاب کو کُچل ڈالنے کا انھوں نے پکّا فیصلہ کر لیا ہے۔

پنجاب سرکار نے خبریں باہر بھیجنے پر پابندی لگا دی تاکہ ان کے ظلموں کا پتہ نہ چلے۔ نہ کوئی پنجاب سے باہر جا سکتا تھا نہ باہر سے وہاں آ سکتا تھا۔ گاندھی جی پنجاب جانے لگے تو انھیں دلّی ہی میں گرفتار کر کے احمد آباد لوٹا دیا گیا۔

پھر بھی یہ باتیں کب تک چھپی رہ سکتی تھیں۔ دھیرے دھیرے سارے ہندوستان میں خبریں پھیلنے لگیں اور لوگوں کے دلوں میں طوفان اٹھنے لگے۔

گاندھی جی اور ستیہ گرہ اندولن

اپریل ۱۹۱۹ء میں گاندھی جی نے سرکار کو ستیہ گرہ کرنے کی جو دھمکی دی تھی اُسے اُس وقت تو انھوں نے واپس لے لیا تھا کیوں کہ اپنی عدم تشدد کی لڑائی کے لیے لوگوں کو تیار کرنے کا انھیں موقع ہی نہیں مل سکا تھا۔ مگر اب انھوں نے دیکھا کہ اس کے لیے ٹھیک وقت آچکا ہے انھوں نے عدم تعاون اندولن چھیڑ دیا۔ کانگریس نے بھی ۱۹۲۰ء میں انھیں اپنا رہنما چُن لیا تھا۔ بدقسمتی سے اس وقت ملک کے سب سے بڑے رہنما لوکمانیہ تلک کا انتقال ہوگیا جس سے سارے

جلیانوالا باغ کی یادگار
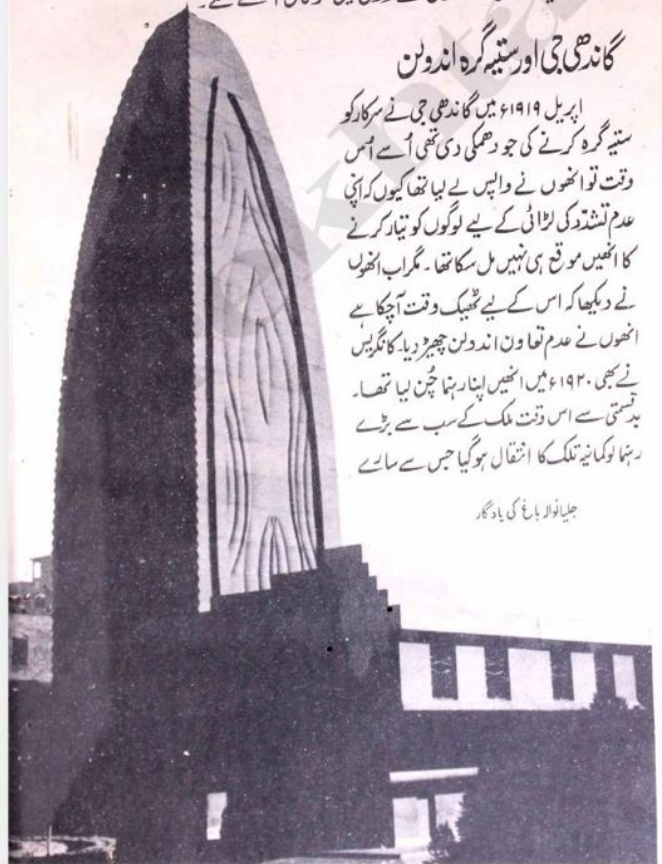
ملک میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ گاندھی جی سے نیا سہارا اور نئی روشنی ملی۔

پھر سے ایک دوسری اور بہت بڑی لہر آئی جو سارے ہندوستان میں پھیل گئی۔ جوش کی ایک نئی لہر۔ کچھ کر دکھانے کا جوش، ملک کو آزاد کرانے کے لیے مر مٹنے کی تمنا۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

یہ گانا ہر شخص کی زبان پر تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ اب تو ہم اپنے سر کا سودا کرنے کے لیے آپہنچے ہیں۔ دیکھیں کہ ظالموں کے بازوؤں میں کتنا زور ہے۔ سچ مچ لوگ مر مٹنے پر آمادہ تھے ایسا جوش تھا اس وقت۔

اپنے رہ نما کے حکم پر ہزاروں لڑکے اسکولوں اور کالجوں کو چھوڑ کر یا تو اندولن میں شامل ہوگئے یا نئے کھولے گئے قومی اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے لگے۔ ہزاروں وکیلوں نے وکالتیں چھوڑ دیں اور وطن کی خدمت کی قسم کھائی۔ ان میں موتی لال نہرو اور چترنجن داس جیسے وہ وکیل بھی تھے جن کی آمدنی راجہ مہاراجاؤں سے کم نہیں تھی۔ شاہی ٹھاٹھ سے رہنے والے جواہر لال نہرو جیسے نوجوانوں نے سارا سکھ چین اور عیش و عشرت قربان کر دیا اور عدم تعاون تحریک کو فروغ دینے کے لیے گاؤں گاؤں کی خاک چھاننے لگے۔

جنگِ عظیم کے بعد ملک کی حکومت میں کچھ حصہ دینے کے لیے انگریزوں نے اسمبلیوں کی بنا ڈالی۔ گاندھی جی کے کہنے پر ہونے والے چناؤ کے خلاف لوگوں نے احتجاج کیا۔ ووٹ دینے والوں کے مقابلے میں ووٹ نہ دینے والوں کی تعداد کہیں زیادہ تھی۔ یہی نہیں گاندھی جی نے غیر ملکی کپڑے کو رَد کرنے کا نعرہ عوام کو دیا۔ یہ انگریزوں کی خود غرضی پر سب سے بڑی چوٹ تھی۔ انگلینڈ کے کارخانوں سے بن کر ہندوستان میں غیر ملکی کپڑا بہت آتا تھا اور انگریزوں کو سب سے زیادہ منافع اسی تجارت سے تھا۔ اسے ختم کرنے کے لیے عورتیں اور بچے تک گھر گھر جاکر لوگوں سے مانگ کر غیر ملکی کپڑے اکٹھے کرتے اور چوراہوں پر ان کی ہولیاں جلادی جاتیں۔ قیمتی سے قیمتی غیر ملکی کپڑوں کا بھی لوگ لالچ نہ کرتے اور انھیں آگ میں جھونک دیتے تھے۔ غیر ملکی کپڑا پہننا شرم کی بات ہوگئی۔ جو غیر ملکی کپڑے

پہنتا اُسے لوگ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے۔

سب ہی وطن پرستوں کو گاندھی جی نے اب کھدر پہننے کی صلاح دی۔ ہاتھ کا کتا اور ہاتھ کا بُنا ایسا موٹا کپڑا جسے اب تک گاؤں میں بھی بہت غریب لوگ ہی پہنتے رہے تھے گاندھی جی خود بھی کھدر کا دھوتی کرتا پہننے لگے اور سر پر پگڑی کی جگہ کھدر کی ٹوپی۔ وہی ٹوپی گاندھی ٹوپی کے نام سے ملک بھر میں مشہور ہو گئی۔ آج کا سا مہین، بگلے کے پنکھ کا سا سفید کھدر ان دنوں نہیں بنتا تھا مگر سب ہی وطن پرست وہی موٹا کھدر پہننے لگ گئے اور اس طرح امیر غریب کو پہچاننا مشکل ہو گیا۔

عوام نیند سے بیدار ہو گئے، اسے دیکھ کر گاندھی جی کی خوشی کی حد نہ رہی۔ اگر لوگ ان کی شرطیں

پوری کر دیں تو انھوں نے ایک سال میں ہی آزادی دلانے کا وعدہ کیا۔ شرطیں یہ تھیں: لوکمانیہ تلک کی یاد میں کھولے گئے تلک سوراجیہ فنڈ کے لیے ایک کروڑ روپیہ اکٹھا ہو، کانگریس کے ایک کروڑ ممبر بنائے جائیں، ملک بھر میں تقریباً ۲۰ لاکھ چرخے چلنے لگیں، ہندوؤں کے سماج سے چھوت چھات کا خاتمہ ہو اور ہندو مسلم اتحاد ہو۔

مسلمان اس اندولن میں شروع سے ہی گاندھی جی کے جھنڈے کے نیچے تھے۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ جنگِ عظیم میں جرمنی کے ساتھ ساتھ ترکی کی بھی ہار ہوئی تھی اور اسے اپنی سلطنت کے بہت سے حصّے گنوا دینے پڑے تھے۔ تُرکی کے خلیفہ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا بھی تھے جنگِ عظیم شروع ہونے پر جب تُرکی نے جرمنی کا ساتھ دیا تھا تو مسلمانوں کی حمایت و مدد پانے کے لیے انگریزوں نے وعدے کیے کہ خلیفہ کی طاقت کم نہیں کی جائے گی۔ مگر لڑائی ختم ہونے پر یہ وعدے پورے نہ کیے گئے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے تب خلیفہ کو حق دلانے کے لیے خلافت تحریک چلائی۔ عدم تعاون اور خلافت تحریک ساتھ ساتھ چلیں۔ خلافت کے رہنما محمد علی اور شوکت علی گاندھی جی کے جھنڈے کے نیچے آ گئے۔ سارے ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان بھائی چارہ پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں نے ہندو رہنماؤں کو مسجدوں میں تقاریر کرنے کے لیے بلایا اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے ساتھ ایک ہی لائن میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ انگریز سرکار نے سب طرف سے ناامید ہو کر اب اس ملک کے حکومت پرست لوگوں کا سہارا لیا۔ انھیں غیر ملکی سرکار نے بڑے بڑے لالچ دیے، ان کی طاقت بڑھائی اور ان سب کا حوصلہ بڑھانے کے لیے بادشاہ جارج پنجم کے بڑے بیٹے "پرنس آف ویلز" کو دورہ کرنے کے واسطے ہندوستان بھیجا۔

لیکن اس کا بھی اثر الٹا ہی ہوا۔ ولی عہد جس دن اپنے جہاز سے بمبئی اُترے اس دن سارے ملک میں مکمل ہڑتال کی گئی۔ ایسی پکّی ہڑتال پہلے کبھی اس ملک میں نہیں ہوئی تھی۔ جہاں جہاں "پرنس آف ویلز" گئے وہاں وہاں کالے جھنڈے دکھانے کی تیاری ہوئی جسے روکنے کے لیے سرکار کو کتنی ہی گرفتاریاں کرنی پڑیں۔ گاندھی جی کے علاوہ ملک کے تقریباً سب ہی بڑے رہنما

اب تک جیلوں میں بند ہو چکے
تھے۔ لالہ لاجپت رائے، پنڈت موتی
لال نہرو، چترنجن داس اور ان کی بیوی
بسنتی دیوی وغیرہ۔ اِدھر گاندھی جی کی شرطوں کو
پورا کرنے کے لیے ہزاروں لاکھوں لوگ زور شور
سے گاؤں گاؤں میں جُٹ گئے تھے۔ دیکھتے ہی
دیکھتے تلک سوراجیہ فنڈ کے لیے ایک کروڑ سے بھی
زیادہ روپیہ اکٹھا ہو گیا اور بقیہ ساری شرطیں بھی پوری
ہوتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اب چاروں طرف سے
گاندھی جی پر زور ڈالا جا رہا تھا کہ سرکار کے
خلاف ٹیکس نہ دینے کی تحریک شروع کی جائے
یعنی کسان اپنے کھیتوں کا لگان دینا بند کر دیں۔
سرکار پر یہ سب سے بڑی چوٹ ہوتی
اس کی آمدنی کا سب سے بڑا راستہ ہی رُک جاتا۔
گاندھی جی نے سب سے پہلے گجرات میں تجربہ
کے طور پر ٹیکس ادا نہ کرنے کا اندولن شروع کرنے کا ارادہ
کیا۔ زبردست تیاریاں ہونے لگیں۔

چوری چورا اور کاکوری جال

سرکار کے سامنے اب ایک ہی راستہ تھا کہ لوگوں پر ایسی زیادتیاں کرے جس سے غصہ میں آکر وہ تشدد پر اُتر آئیں۔ آخر اس میں اُسے کامیابی مل گئی اور چھوٹے موٹے کئی واقعوں کے بعد سب سے بڑا واقعہ گورکھپور کے چوری چورا نام کی جگہ میں ہوا اور ظلموں سے کراہتے لوگوں کی پُرجوش بھیڑ نے پولس کی ایک چوکی میں آگ لگا کر کتنے ہی سپاہیوں کو زندہ پھونک دیا۔

گاندھی جی نے دیکھا کہ ٹیکس ادا نہ کرنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔ اس اندولن کو سرکار ہر طرح سے کچلنے کی کوشش کرے گی۔ اگر پُرجوش ہو کر لوگوں نے بھی سرکاری ظلموں کے جواب میں مار پیٹ شروع کر دی تو بات بگڑ جائے گی۔

ٹیکس نہ دینے کی تحریک شروع نہ ہوئی تو ملک میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک گہری ناامیدی چھا گئی۔ موقع پاکر سرکار نے گاندھی جی کو گرفتار کرکے چھ سال کے لیے جیل میں بند کر دیا۔ یہ بات ۱۹۲۲ء کی ہے۔

گاندھی جی اس وقت مہذب لوگوں کی پوشاک چھوڑ کر غریب دیہاتی کسانوں کی طرح ننگے بدن رہنے لگے تھے۔ نہ سر پر ٹوپی نہ بدن پر دھوتی اور کرتا۔ دھوتی کے نام پر صرف کمر کے نیچے ایک کپڑا لپیٹے رہتے تھے جو نیچے گھٹنوں تک بھی نہیں پہنچتا تھا۔ اسی روپ میں وہ عدالت کے سامنے لائے گئے لیکن پھر بھی انھیں دیکھتے ہی ساری عدالت ان کے احترام میں اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

گاندھی جی نے گوری عدالت کے سامنے اپنے مقدمے کے وقت جو بیان دیا وہ امر ہو گیا ہے۔ انھوں نے کہا....

"میں جانتا ہوں کہ میں آگ کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ مگر میں ایسا جانتے ہوئے بھی کر رہا تھا۔ اگر آپ مجھے کوئی سزا نہ دے کر چھوڑ دیں گے تو میں پھر وہی سب کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میرے وطن والوں نے کبھی کبھی پاگل پن کے کام بھی کر ڈالے ہیں جس کا مجھے بہت افسوس ہے اور اس لیے میں آپ سے کسی ہلکی سزا
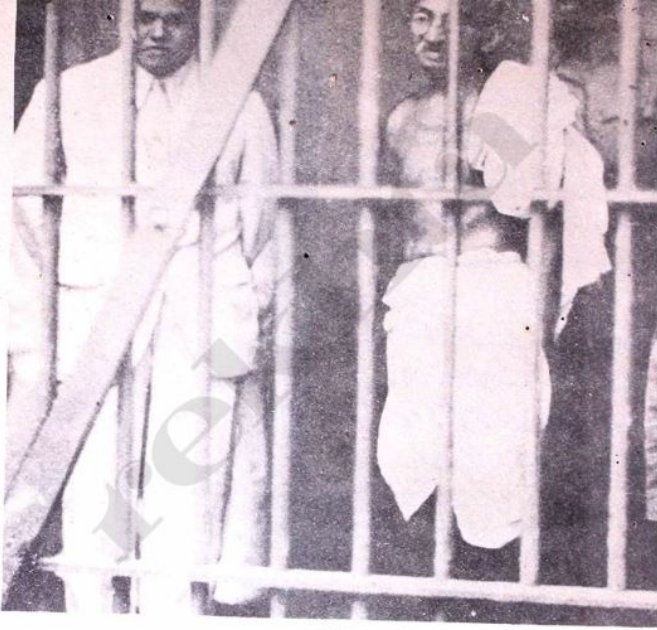
گاندھی جی جیل میں

کی مانگ نہیں کرتا۔ جج صاحب! آپ کے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو آپ اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیں، یا جو بھی کڑی سے کڑی سزا دے سکتے ہوں مجھے دیں۔"

گاندھی جی کے جیل میں بند کر دیے جانے پر ملک کے عوام پھر اپنے کو اکیلا سمجھنے لگے۔ سارے ملک نے ماتم منایا مگر گاندھی جی کے حکم کو مانتے ہوئے مکمل سکون قایم رکھا۔ انگریزوں نے سمجھا کہ ان کا طریقہ کامیاب ہو گیا ہے اور لوگوں کے جوش کو دبا دیا گیا ہے۔ ایک انگریز نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ "گاندھی جی کی گرفتاری کے بعد کوئی کُتّا تک نہیں بھونکا" ان کا یہ سمجھنا کتنا غلط تھا یہ تو انھیں بعد میں پتہ لگا۔

پنڈت موتی لال نہرو

۱۹۲۲ء کے شروع میں گاندھی جی جیل میں بند کیے گئے تھے لیکن دو سال بھی پورے نہیں ہو پائے تھے کہ وہ سخت بیمار ہو گئے۔ جیل میں ہی ان کے پیٹ کا آپریشن کیا گیا۔ اس وقت سارے ملک میں پریشانی اور گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ اس سے برٹش سرکار بھی ڈر گئی۔ اُسے لگا کہ اگر جیل میں ہی گاندھی جی کی موت ہو گئی تو ہندوستان میں ایک ایسا جوالا مکھی پھٹ پڑے گا جسے کوئی بھی بجھا نہیں سکے گا۔ لیکن ملک کی خوش قسمتی سے آپریشن کامیاب رہا اور اس کے بعد جلدی ہی سرکار نے انھیں جیل سے رہا کر دیا۔

گاندھی جی کے پیچھے کانگریس کی رہ نمائی میں ایک بار پھر پھوٹ پڑ گئی تھی۔ راج گوپال آچاری، ولبھ بھائی پٹیل، راجندر بابو جیسے رہ نما اب بھی گاندھی جی کے بتائے ہوئے طریقوں سے ہی لوگوں کے بیچ کام کر رہے تھے مگر چترنجن داس اور موتی لال نہرو جیسے نیتا عدم تعاون کا طریقہ بدلنا چاہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ عدم تعاون تحریک کے بعد عوام میں آزادی کی جو امنگ جاگی ہے اُسے آگے بڑھانے کے لیے کچھ ایسے کام کرتے رہنا ضروری ہے جس سے اپنی طاقت بڑھتی نظر آئے۔ اس کے لیے اُن کا سجھاؤ تھا کہ کونسلوں کے اگلے چناؤ کو ختم نہ کیا جائے بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگ چن کر بھیجے جائیں۔ وہ لوگ کونسلوں میں جا کر ہر سرکاری بل کے خلاف مظاہرہ کریں اور اس کا بجٹ ہی نہ پاس ہونے دیں۔ یہ کونسلیں صرف [illegible] میں تو مرکزی سرکار میں وائسرائے کا اور صوبوں میں گورنروں کا حکم چلتا تھا۔ [illegible] چاہتے تھے کہ اب ساری دنیا کے سامنے ان بناوٹی دکھاوٹی کونسلوں کی پول کھول کر رکھ دی جائے۔

گاندھی جی نے جیل سے نکلنے کے بعد ہر دو نظریات کے نیتاؤں کو [illegible] اپنے طریقے سے کام کرنے کی آزادی دے دی اور خود اگلی لڑائی کی تیاری میں چپ چاپ [illegible] جسے اس وقت کم لوگ ہی ٹھیک ٹھیک بھانپ سکے۔

۱۹۲۲ء میں گاندھی جی کی گرفتاری سے لے کر ۱۹۲۹ء تک کے سات سالوں میں آزادی کی تحریک کچھ ڈھیلی ہی رہی۔ اس دوران ملک کے رہ نما طرح طرح کے راستوں پر بھٹکتے رہے۔ کچھ لوگ تو ایک آزاد پارٹی بنا کر کونسلوں میں چلے گئے اور وہاں سے انگریز سرکار کا اثر کم کرنے اور اس کی پول کھولنے میں لگ گئے مگر کچھ لوگ خاموشی سے باغیوں کی طرف کھنچنے لگے۔ ۲۵-۱۹۲۴ء میں چھپے ہوئے باغیوں کا کام بہت بڑھ گیا تھا۔

دیش بندھو چترنجن داس

بنگال سے لے کر پنجاب تک ہتھیار بند بغاوت کی زبردست تیاریاں شروع ہو گئیں۔ مغربی بنگال میں اس کے مشہور رہ نما تھے سوریہ سین۔ ان کا گروہ وہاں پر بم بنانے کے کام میں بڑی لگن کے ساتھ مشغول تھا۔ اس کے لیے روپے کی جو ضرورت تھی اُسے بڑے بڑے ڈاکے ڈال کر پورا کیا جاتا تھا۔ اس گروہ نے کتنے ہی انگریز افسروں کا قتل بھی کیا۔ گوپی ناتھ ساہا کو انھیں دنوں ایک انگریز کو مار ڈالنے کے جرم میں پھانسی دے دی گئی۔

یو۔پی، بہار، دِلّی اور پنجاب میں بھی ۱۹۲۴ء سے باغیوں کی تحریک نے زور پکڑ لیا۔ اگست ۱۹۲۵ء میں رام پرساد بسمل کی رہ نمائی میں ان کے گروہ نے لکھنؤ کے پاس چلتی ریل میں ڈاکہ مار کر سرکاری روپے کو لوٹا۔ اس ڈکیتی میں شامل سبھی لوگ پکڑے گئے۔ ان کے خلاف مقدمہ چلا جو کاکوری ڈکیتی کیس کے نام سے مشہور ہوا۔ رام پرساد بسمل اور اشفاق اللہ خاں کے ساتھ

باغیوں کو پھانسی
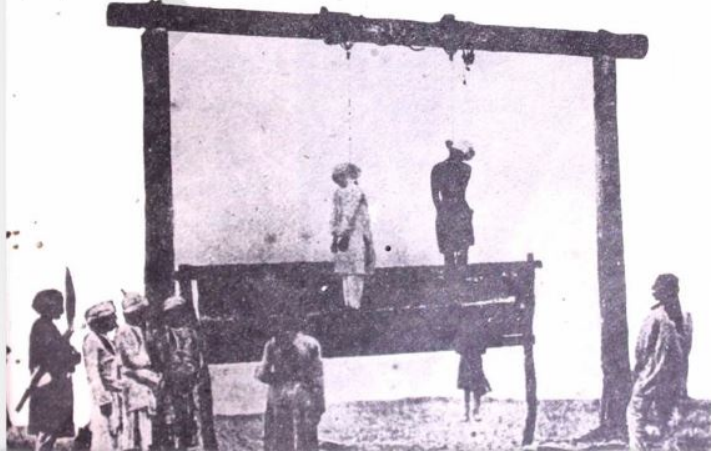
ساتھ کئی اور باغیوں کو پھانسی دے دی گئی اور کئی کو جیل کی لمبی لمبی سزائیں ہوئیں۔

ملک کی یہ حالت تھی جب گاندھی جی جیل سے چھوٹ کر آئے۔ اس بات سے بھی گاندھی جی کو بڑا دُکھ پہنچا کہ کچھ مسلمان کانگریس سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ عدم تعاون تحریک کے بعد ہوتے ہوتے ترکی میں ایک عوامی بغاوت ہو گئی تھی اور ان کے رہ نما مصطفےٰ کمال پاشا نے خلیفہ کی رہی سہی طاقت بھی چھین لی تھی۔ اس کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے خلافت کی تحریک بے کار ہو چکی تھی۔

انگریزوں نے تب ہی یہاں کے مسلمانوں کو بھڑکانا شروع کر دیا کہ ملک کو اگر آزادی مل گئی تو یہاں ہندو سلطنت ہو جائے گی اور مسلمانوں کو ستایا جائے گا۔ دھیرے دھیرے مسلمانوں کے کتنے ہی رہ نما جو پہلے کانگریس کے ساتھ تھے، کانگریس سے دور ہوتے چلے گئے جن میں جناح ہی نہیں محمد علی اور شوکت علی بھی تھے۔

عوام میں بھی ذرا ذرا سی باتوں کو لے کر ہندو مسلم جھگڑے ہونے لگے۔ کئی مرتبہ تو بھاری خوں ریزی بھی ہوئی۔ گاندھی جی کے جیل سے چھوٹنے کے بعد بھی ملک کے کئی حصّوں میں بہت بڑے بڑے فساد ہوئے۔ گاندھی جی نے ان باتوں پر کبھی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ غیر ملکیوں سے لڑنے کا ہتھیار تو انھوں نے ایجاد کیا تھا مگر بھائی بھائی کے بیچ کی لڑائی کو کیسے روکا جائے؟

سائمن کمیشن

دُکھی ہو کر گاندھی جی نے اکیس۲۱ دن کی بھوک ہڑتال کا اعلان کر دیا۔ یہ برت انھوں نے اپنے پُرانے ساتھی مولانا محمد علی کے گھر میں رہ کر ہی شروع کیا جو اب اُن سے دور ہو چلے تھے۔ پچھلی بیماری کے بعد سے ان کی صحت یوں ہی گری ہوئی تھی۔ اتنی لمبی بھوک ہڑتال کے بعد تو ان کے بچنے کی امید کسی کو بھی نہیں رہی۔ کچھ دنوں کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان پھر بھائی چارہ دکھائی دینے لگا۔ ہندو اور مسلمان دونوں نے ہی ان کی لمبی عمر کے لیے مندروں اور مسجدوں

میں دعائیں مانگیں۔ سبھی مذہب کے رہنماؤں نے گاندھی جی کے پاس آکر ایک سمجھوتہ کا مسودہ تیار کیا کہ کس طرح سبھی مذہب کے لوگ ملک میں امن کے ساتھ رہیں۔

ملک کی خوش قسمتی سے گاندھی جی بچ گئے اور پھر سے ملک گیر عدم تعاون کی تحریک شروع کرنے کے پروگرام میں تن من سے لگ گئے۔ سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ گاؤں گاؤں میں اتحاد کا ایک جال بچھا دیا جائے جس سے کہ وقت آنے پر سب کام کرنے والے ملک کے کونے کونے میں گاندھی جی کی باتیں اور خبریں پہنچا سکیں اور وہاں کے لوگوں کو راستہ دکھا سکیں۔ اس نظریے سے انھیں دو کام دکھائی دیے۔ ایک تو اچھوتوں کو بلند کرنا اور دوسرا کھدر اور چرخے کا پرچار کرنا۔ انھوں نے دونوں کاموں کے لیے دو کمیٹیاں بنا دیں اور انھیں چلانے کے لیے روپیہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ ۱۹۲۸-۲۹ء میں انھوں نے سارے ملک کا دورہ کیا۔ وہ ہمیشہ تیسرے درجے میں سفر کرتے تھے۔ ملک کی آزادی وہ غریبوں کے لیے چاہتے تھے اور ان کا اعتماد پانے کے لیے خود بھی غریبوں کی طرح ہی رہتے تھے۔ اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی وہ ایسا ہی کرنے کی صلاح دیتے تھے۔ جگہ جگہ انھوں نے اچھوت اور نیچی ذات کہلانے والے لوگوں میں سے اونچ نیچ کو مٹانے کے لیے کام کرنے والوں کے آشرم کھولے۔ گاؤں گاؤں میں چرخہ سنگھ کی بھی شاخیں کھولی گئیں، جہاں پڑھے لکھے نوجوان اپنی مرضی سے ساری زندگی بتاتے تھے۔ گاؤں کی غریب عورتوں کو سوت کاتنے کے لیے چرخے دیے گئے۔ اس سے گھر بیٹھے وہ کچھ پیسے کمانے لگ گئیں۔

بعد میں جب ۱۹۳۰ء اور ۱۹۳۱ء میں عظیم تحریک عدم تعاون چلی تب ان آشرموں کے کام کرنے والوں سے بڑی مدد ملی۔ چوری چھپے پرچے چھاپے جاتے تھے جو انھیں لوگوں کی مدد سے گاؤں گاؤں تک پہنچائے جاتے تھے۔

ان سات سالوں کے دوران چھوٹے چھوٹے سوالوں پر جگہ جگہ ستیہ گرہ کے ہتھیار کا بھی لوگ استعمال کرتے رہے تھے۔ ان میں انھیں کہیں تو کم کامیابی ملی کہیں زیادہ۔

۱۹۲۸ء میں کچھ بڑی باتیں ہوئیں۔ برٹش سرکار نے دیکھا کہ دلّی کی اسمبلی اور صوبائی کونسلوں میں عوام کے نمائندوں کو مزید حقوق دیے بغیر کام نہیں چلے گا۔ نرم دل کے رہنما بھی زیادہ حق کی بات کرنے لگے تھے۔ انھوں نے کانگریس کے رہنماؤں کے ساتھ مل کر ایک قانون تیار کیا تاکہ برٹش افسروں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ سب لوگ مل کر مانگ نہیں کرتے اس لیے انھیں مانا نہیں جا سکتا۔ موتی لال نہرو کی صدارت میں ایک کمیٹی اس کام کے لیے بیٹھی اور اس نے ایک قانون کا خاکہ تیار کر ڈالا جسے کچھ مسلمان رہبروں اور مٹھی بھر دوسرے لوگوں کے علاوہ سبھی طرح کے رہنماؤں نے اسے منظور کر لیا۔ مگر برٹش سرکار نے اسی دوران سر جان سائمن کی صدارت میں ایک کمیشن یہاں بھیج دیا جو سائمن کمیشن کہلایا۔ سائمن کمیشن کی مخالفت کرنے کے لیے سارے ملک میں زبردست ہڑتال کی گئی۔ جہاں جہاں کمیشن گیا اُسے کالے جھنڈے دکھائے گئے۔ اس سے باتیں کرنے کے لیے عوام کا کوئی بھی نمائندہ تیار نہیں ہوا۔ اس کام میں ہندوستان کے نوجوانوں اور طالب علموں نے سب سے زیادہ جوش دکھایا کھسیا کر سرکار نے مظاہرہ کرنے والی بھیڑ پر ڈنڈے برسائے کہیں کہیں گولیاں تک چلائی گئیں۔ لکھنؤ میں جواہر لال نہرو اور گووند ولبھ پنت تک کو چوٹ آئی اور لاہور میں پنجاب کے لالہ لاجپت رائے پر تو ایسی مار پڑی کہ کچھ دن بعد ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ ان کا بدلہ لینے کے لیے بھگت سنگھ نام کے باغی نے جو بعد میں بہت ہی مشہور ہوا، لالہ لاجپت رائے پر لاٹھی چلانے والے گورے پولیس افسر سانڈرس کو گولی سے مار دیا اور خود لاپتہ ہو گیا۔

۱۹۲۵ء کے بعد دو ڈھائی سال تک باغیوں کی کارروائیاں بظاہر ڈھیلی پڑی رہیں مگر اندر ہی اندر زبردست تیاریاں چل رہی تھیں۔ جنوبی ہندوستان میں اس گروہ کی رہنمائی چندر شیکھر آزاد کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ وہی لڑکا تھا جسے ۱۹۲۱ء کے عدم تعاون تحریک میں کوڑوں کی مار نے آزاد بنا دیا تھا۔ کاکوری والی ڈکیتی میں یہ نوجوان لڑکا بھی شامل تھا، مگر پکڑ میں نہیں آپایا۔ اب انھوں نے ملک گیر بغاوت کے لیے ایک بھاری مجمع جمع کیا جس میں سانڈرس کا قتل کرنے والے بہادر، بھگت سنگھ بھی شامل تھے۔ اس قتل کے بعد جب پنجاب کے

مظلوم عوام پر اندھا دھند ظلم ہونے لگے تب عوام کے اندر جوش پیدا کرنے کے لیے اس مجمع نے بہادری کا کوئی ایسا کام کر ڈالنا چاہا جس سے عام لوگوں کے دل میں باغیوں کے لیے عزّت و احترام بڑھے۔ قربانی کے لیے دو بہادر نوجوان چُنے گئے۔ بھگت سنگھ اور بٹوکیشور دت۔ ۸ راپریل ۱۹۲۹ء کو نئی دلّی کی اسمبلی میں داخلے کے پاس لے کر وہ دونوں ہی اوپر جا بیٹھے۔ دونوں نے ایک کے بعد ایک ایسے بم نیچے ہال میں پھینکے جن سے کوئی مرے تو نہیں پر زبردست دھماکا ہو۔ پھر انھوں نے اپنے ریوالوروں سے ہوا میں گولیاں داغیں اور بغاوت کے پرچے نیچے برسا دیے۔ اس کے بعد ان دونوں ہی بہادروں نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ سارے ملک میں اس خبر سے زبردست سنسنی پھیلی۔ باغیوں کے لیے شہریوں کے دلوں میں ایک نئی عقیدت امنڈ پڑی کچھ ہی وقت بعد لاہور اور سہارنپور میں پولیس کو بم تیار کرنے والے بڑے بڑے کارخانوں کا پتہ چلا۔ کئی آدمی گرفتار کیے گئے جن میں سے کچھ نے اس پوشیدہ باغی کمیٹی کے بارے میں ساری جان کاری پولیس کو دے دی۔ پھر کیا تھا زبردست گرفتاریاں شروع ہو گئیں اور لاہور سازش کیس کے نام سے ان پر مقدمے چلائے جانے لگے۔

آخر تنگ آکر قیدیوں نے

بھگت سنگھ
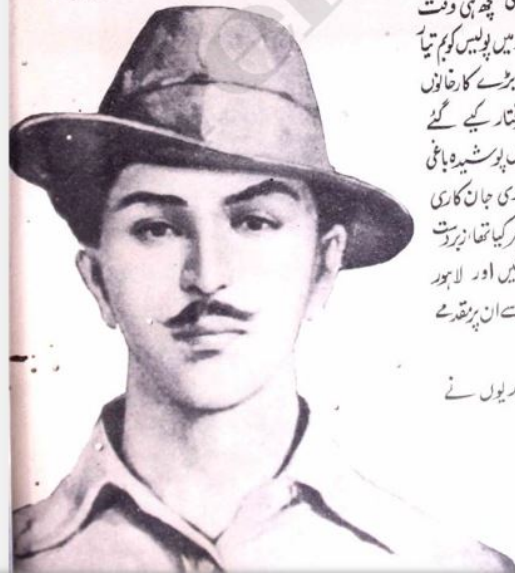
بھوک ہڑتال شروع کر دی جو لگ بھگ دو مہینے تک چلی۔ سارے ملک کا توجہ ان کی طرف کھنچ گئی اور سرکار کو جھکنا پڑا۔ اس نے قیدیوں کی بہت سی شرطیں مان لیں لیکن جیتن داس نام کے ایک قیدی نے پھر بھی اپنا برت نہیں توڑا۔ ۶۴ دن کی بھوک ہڑتال کے بعد جیل میں اس کا انتقال ہو گیا جس نے ملک کی فضا میں بڑی گرمی پیدا کر دی۔

ایک طرف ملک میں خفیہ سازشوں کی کارروائیاں زوروں پر تھیں اور دوسری طرف کانگریس کے اندر اور باہر نوجوان لوگ بغاوت کی طرف کھنچتے جا رہے تھے۔ جواہر لال نہرو اور سبھاش چندر بوس اس عرصے میں یورپ میں کافی وقت گزار کر ہندوستان لوٹے تھے۔ روس کے عوام نے بغاوت کر کے زارشاہی کو ختم کر دیا اور کسانوں اور مزدوروں کی حکومت قائم کی اور غریبی اور امیری کا فرق مٹا ڈالنے کے لیے ایسے قدم اٹھائے جیسے پہلے کسی ملک میں نہیں اٹھائے گئے تھے۔ جواہر لال اور سبھاش اس بغاوت سے بڑے متاثر ہو کر آئے تھے۔ ملک کے نوجوان ان رہنماؤں کی طرف کھنچنے لگے اور کچھ کر گزرنے کے لیے بے چین ہو اٹھے۔

۱۹۲۸ء میں کلکتے میں کانگریس کا جو اجلاس ہوا اس میں بھی لوگوں کو ملا کر تیاری کی گئی۔ موتی لال نہرو اس اجلاس
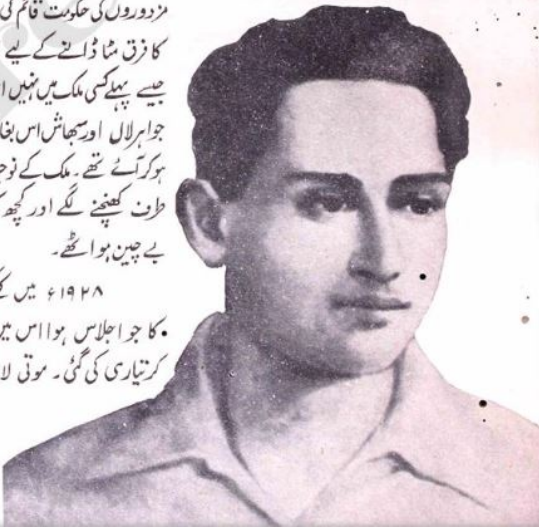
بٹوکیشور دت

کے صدر تھے۔ قانون کا وہ مسودہ بھی جو انھیں کی صدارت میں تیار ہوا تھا اس جلسے میں پیش کیا گیا مگر ان کے بیٹے جواہر لال نہرو اور نوجوان رہ نما سبھاش چندر بوس نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ لوگ مکمل آزادی سے کم کے لیے تیار نہیں تھے جب کہ اس اسکیم میں یہ بھی تھا کہ عوام کے چُنے ہوئے نمائندے برٹش سرکار کی نگرانی میں رہ کر ہی حکومت کریں۔ آخر میں گاندھی جی نے سمجھوتہ کرایا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اگر سرکار ایک سال کے اندر اس مسودے کو منظور نہ کرے تو مکمل آزادی کے حصول کے لیے کانگریس اپنی پوری طاقت لگا دے گی۔

برٹش سرکار کو ایک سال کا وقت دیا گیا مگر وہ جھکنے کے لیے تیار نہیں ہوئی۔ اگلے سال دسمبر ۱۹۲۹ء میں کانگریس کا اجلاس لاہور میں ہوا اور نوجوانوں کے رہ نما جواہر لال نہرو اس کے صدر بنائے گئے۔ سارے ملک سے کانگریس کے نمائندوں کی ہی نہیں دیکھنے والوں کی بھی بہت بڑی بھیڑ لاہور میں اکٹھا ہوئی۔ لاتعداد تالیوں کی گڑگڑاہٹ میں کانگریس نے فیصلہ کر ڈالا کہ مکمل آزادی پائے بغیر وہ چین نہیں لے گی۔

مکمل آزادی کا عہد اور نمک تحریک

۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء تاریخ میں لافانی ہو گیا ہے کیوں کہ اس دن ملک کے ہر چھوٹے بڑے شہر میں جلسے کر کے شہریوں نے ہندوستان کو مکمل آزادی دلانے کی قسم کھائی تھی۔ (اسی وجہ سے جمہوری نظام حکومت کا اعلان بھی ۲۶ جنوری کو ہوا) کانگریس کی طرف سے ستیہ گرہ کی لڑائی کی ساری ذمہ داری گاندھی جی کو دے دی گئی تھی، گویا وہ کمانڈر ان چیف بنا دیے گئے تھے۔ یہ بات انھیں پر چھوڑ دی گئی تھی کہ وہ لڑائی کی رہ نمائی کس طرح کریں۔

گاندھی جی نے نمک قانون کو توڑنے کا فیصلہ کیا جس کے بارے میں کتنے ہی لوگ تو کچھ جانتے تک نہیں تھے۔ کیا ہوگا نمک قانون کو توڑنے سے۔ بہتوں کے دل میں شک پیدا ہوا۔ جو لوگ کسی بہت بڑے قانون کے توڑے جانے کی امیدیں باندھے بیٹھے تھے، ان کے دل بیٹھ گئے۔ مگر جب نمک کے مورچے پر لڑائی شروع ہوئی تو سارے ملک نے دانتوں تلے انگلی دبالی۔

گاندھی جی چاہتے تھے کہ سب سے پہلے وہ ایک بہت چھوٹا مسئلہ لیں جو غریبوں کا مسئلہ ہو۔ ملک کی غریبی اتنی زیادہ تھی کہ موٹے اناج کی سوکھی روٹی یا موٹے چاول کے بھات کے ساتھ ہزاروں لاکھوں لوگ دال سبزی تو دور نمک تک مشکل سے حاصل کر پاتے تھے۔ ہندوستان کے سمندری کنارے کی لمبائی معمولی نہیں ہے۔ سمندر کے کنارے نمک آپ سے آپ بنتا رہتا ہے۔ چاند کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ سمندر کا پانی بھی اونچا ہوتا جاتا ہے اور پورنیما (مکمل چاند) کے دن سب سے زیادہ اونچائی پر پہنچ جاتا ہے جس سے مہینے میں ایک بار چھوٹے بڑے گڑھوں میں پانی بھر جاتا ہے۔ پھر چاند کے گھٹنے کے ساتھ ساتھ سمندر کا پانی بھی گھٹتا جاتا ہے اور جو پانی اس وقت گڑھوں میں بھر جاتا ہے وہ اب سوکھنے لگتا ہے اور تھوڑے دن میں وہ صاف سفید نمک بن جاتا ہے۔

سمندر کے کنارے کنارے جتنے بھی گاؤں بسے تھے وہاں کے لوگوں کے سامنے نمک اسی طرح پڑا رہتا تھا جس طرح ندی کا پانی۔ ندی سے یا کنوئیں سے پانی بھرنے کی کسی کو ممانعت نہیں تھی مگر سامنے پڑے نمک کو اٹھانا قانون کی نظر میں جرم تھا۔ یہ سارا نمک یوں ہی برباد ہو جایا کرتا تھا۔

سمندر کے کنارے کہیں کہیں نمک کے کچھ سرکاری گودام ضرور تھے جہاں سے اس طرح کا نمک بازار میں لایا جاتا تھا مگر زیادہ نمک تو ہمارے یہاں انگلینڈ سے ہی آتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انگریزوں کے جہاز ہمارے یہاں سے اناج اور کپاس جیسا بہت سا کچا مال لے جاتے تھے وہ جب دوبارہ لوٹتے تو بہت ہلکے رہتے۔ انگلینڈ سے مشینوں کا بنا جو تیار مال یہاں بکنے کے لیے آتا تھا وہ قیمت میں تو بہت زیادہ ہوتا تھا مگر وزن میں کافی کم۔ ان جہازوں کے لیے اتنا کم مال لے کر سمندر میں چلنا مشکل ہوتا تھا۔ کوئی وزنی چیز جہاز کے پیندے میں بھر لینا ضروری تھا۔ یہ کام انگلینڈ کے فالتو نمک کو بھر کر کیا جاتا تھا۔ اس طرح یہاں والوں کو مفت کے نمک کی جگہ قیمت دے کر انگلینڈ کا نمک خریدنا پڑتا تھا۔

گاندھی جی نے
طے کیا کہ ستیہ گراہیوں
کی ایک ٹولی کو لے کر
وہ سمندر کے کنارے تک
کا پیدل سفر کریں گے
اور وہاں جاکر اس نمک قانون کو توڑ دیں گے۔ اس
کام کے لیے انھوں نے گجرات کے سورت ضلعے میں ڈانڈی نام کی ایک
جگہ چنی۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے لگ بھگ دو سو میل کا سفر کرنا تھا۔ ۲۵ دن میں یہ سفر
پورا ہونا تھا اور ہر روز صبح شام ملاکر سات آٹھ میل پیدل چلنا تھا۔

گاندھی جی کی ٹولی میں کل ۷۹ ستیہ گرہی تھے۔ ۱۲ر مارچ ۱۹۳۰ء کو ڈانڈی کا تاریخی
سفر شروع ہوا۔ سابرمتی کے آشرم کے سامنے کی سڑک پر پچھلی رات سے ہی ہزاروں مرد
عورت جم کر کھڑے ہو گئے تھے۔ صبح سویرے جب سفر شروع ہوا تو سابرمتی ندی کے
پل پر جدھر دیکھو اُدھر ہی مرد عورتوں کی بھیڑ نظر آ رہی تھی۔ سڑک پر ہی نہیں، آس پاس
کے کھیتوں، درختوں اور مکانوں پر بھی آدمی ہی آدمی دکھائی دے رہے تھے۔

راستے میں جو بھی گاؤں پڑتے تھے وہاں کے لوگوں کی بھیڑ گاندھی جی کی
آؤ بھگت کرتی تھی، عورتیں ان کی آرتی اتارتیں، ان کے ماتھے پر ٹیکہ لگایا جاتا، پھول
چڑھائے جاتے۔ جن دیہاتوں میں دن کے کھانے اور کچھ گھنٹے آرام کے لیے ٹھہرنے
کا انتظام کیا جاتا تھا یا رات کے کھانے اور سونے کا، وہاں کے لوگوں سے
گاندھی جی بات چیت کرتے اور گاؤں والوں کے جلسے میں تقریر کرتے، پچیس
دن کے اس سفر نے گجرات ہی میں نہیں سارے ملک کے اندر نئی جوت جگا دی۔

۵ر اپریل کو یہ گروہ سمندر کے کنارے ڈانڈی جا پہنچا۔ اگلے دن ہی ۶ر اپریل

سابرمتی آشرم

تھا جو گیارہ سال سے عدم تعاون دن کے نام سے ہر سال منایا جارہا تھا۔ اسی دن گاندھی جی نے اپنی پوری ٹولی کے ساتھ سویرے سمندر میں غسل کیا پھر سمندر کے کنارے ایک گڑھے میں سے نمکین پانی ایک برتن میں لے لیا۔ کسی کسی گڑھے میں پانی جم جانے سے تیار ہو گئے نمک کو بھی اٹھا لیا گیا۔ اس پانی کو آگ پر چڑھا کر جو نمک تیار کیا

گیا وہ تقریباً آدھا تولا تھا۔ شام کو دور دور سے آکر اکٹھے ہوئے لوگوں کی ڈانڈی کنارے جو میٹنگ ہوئی اس میں نمک کی اس انمول ڈلی کو نیلام کیا گیا۔ احمد آباد کے ایک سیٹھ نے اس آدھا تولہ نمک کو ۵۲۵ روپے میں خرید لیا۔

سارے ملک کی گاندھی جی کی طرف نظریں لگی ہوئی تھیں۔ نمک قانون کو توڑ کر انھوں نے سارے ملک کو بھی عدم تعاون کرنے کی آزادی دے دی۔ ہزاروں کی تعداد میں عورت مرد نمک قانون توڑنے لگے۔ جگہ جگہ لوگ گرفتار ہونے لگے اور پولیس کے ہر طرح کے ظلم شروع ہو گئے۔

سارے ملک میں لوگ جیلوں میں بند کیے جارہے تھے، پیٹے جارہے تھے، ان پر طرح طرح کے ظلم کیے جارہے تھے مگر گاندھی جی کو پکڑنے کی ہمت ابھی برٹش سرکار میں نہیں ہوئی۔ آخر انھوں نے ایک اور بھی کڑا فیصلہ کر ڈالا۔ گجرات میں ہی دھراسانا نام کا ایک سرکاری نمک گودام تھا جس کا نمک ضرورت پڑنے پر سرکاری طور پر بازاروں میں بھیجا جاتا تھا۔ گاندھی جی نے اعلان کیا کہ وہ اور ان کے ساتھی اس گودام پر قبضہ کرکے اس نمک کو لوٹیں گے۔ اس فیصلے کے سامنے آخر سرکار کو مجبور ہو جانا پڑا۔ اس حملے

کے پہلے ہی گاندھی جی گرفتار کر لیے گئے۔

گاندھی جی کے بعد بوڑھے اطباس طیب جی ستیہ گراہیوں کی اس ٹولی کے سربراہ بنے اور ان کے گرفتار ہو جانے پر سروجنی نائیڈو نے یہ ذمّہ داری سنبھال لی۔

سروجنی نائیڈو انگریزی کی مشہور شاعرہ تھیں۔ ان کی شاعری کے دل دادہ انگلینڈ میں بھی تھے۔ وہ بہت تعلیم یافتہ عورت تھیں اور بڑے امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔

ملک بھر کے اخباروں میں خبریں چھپیں کہ ہتھیار بند پولس نے دھراسانا کے سرکاری نمک گودام کے سامنے سروجنی نائیڈو اور ان کی ٹولی کو روک دیا ہے۔ مئی مہینے کی تپتی ہوئی بالو میں سارے دن بھوکی پیاسی وہ دھوپ میں بیٹھی رہیں آخر وہ بھی گرفتار کر لی گئیں اور اس کے بعد ستیہ گراہیوں کی ٹولیاں ہفتوں اس گودام پر دھاوا بولتی رہیں۔ گھوڑ سوار پولس کے گھوڑے ان پر چھوڑے جاتے رہے، ڈنڈے برستے رہے اور احتجاج کرنے والوں کے سر پھٹتے رہے اور زخمی حالت میں انھیں جیلوں میں بند کیا جاتا رہا۔

گاندھی اروِن سمجھوتہ

سارے ملک میں تب جیسے آگ لگ گئی تھی۔ کوئی غیر ملکی سرکار کسی غلام ملک کے شہریوں پر جتنی طرح کے ظلم بھی کر سکتی تھی، کیے جانے لگے۔ ملک کے سبھی بڑے رہ نما جیلوں میں بند تھے لیکن ستیہ گراہیوں کی تعداد میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ نمک قانون کو توڑنے کے علاوہ ولایتی کپڑوں اور شراب کی دکانوں پر بھی دھرنا دینا شروع کر دیا گیا۔ نوجوانوں کے اندر جوش کی کمی نہیں تھی نہ شہروں میں نہ گاؤں میں۔ ہزاروں لوگ جیلوں میں بند ہو گئے۔ ہزاروں کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں، ہزاروں

گول میز کانفرنس، لندن

گھائل ہوئے، سیکڑوں کی جانیں گئیں

اس بار تحریک کی ایک بڑی بات یہ تھی کہ عورتوں نے اس میں کھُل کر حصّہ لیا۔ گجرات میں خاص طور سے ڈانڈی سفر کے دوران عورتوں میں بھی گاندھی جی نے زبردست جوش پیدا کر دیا۔ جیل جانے والی عورتوں کی تعداد وہاں بہت زیادہ تھی۔ ملک کے اور حصوں میں عورتوں کے اندر نئی روشنی دیکھی گئی۔ شمالی ہندوستان میں خاص طور سے اتر پردیش اور بہار میں۔ اس زمانے میں عورتوں میں پردہ بہت زیادہ تھا، پھر بھی سیکڑوں کی تعداد میں پڑھی لکھی اور ان پڑھ سبھی طرح کی عورتیں پردہ چھوڑ کر ملک گیر تحریک میں شامل ہو گئیں۔ کتنوں نے ہی مار کھائی، کتنی ہی جیلوں میں گئیں۔

گرمی بیتی، برسات آئی، پھر جاڑے آئے مگر لڑائی کی تیزی میں کوئی کمی نہیں دکھائی دی بلکہ

اب گجرات کے بارڈولی تعلقے اور کھیڑا ضلعے میں کسانوں نے ٹیکس بند تحریک کو بھی پورے زور شور کے ساتھ شروع کر دیا۔ جنوبی ضلعے اور کئی دوسرے ضلعوں میں بھی کسانوں کے ذریعہ ٹیکس نہ دینے کی تیاری کی جانے لگی۔

آخر سرکار گھبرا گئی۔ اگلا سال شروع ہوتے ہوتے جنوری کے آخر میں وائسرائے لارڈ اروِن نے سمجھوتے کی بات چیت چلانے کے لیے کانگریس کے سبھی رہ نماؤں کو جیلوں سے چھوڑ دیا۔

کانگریس کے سبھی بڑے رہ نماؤں کو چھوڑے جانے کے بعد ہندستان کے وائسرائے لارڈ اروِن نے گاندھی جی سے بات چیت کی۔ کافی دنوں تک یہ بات چیت چلی۔ آخر مارچ ۱۹۳۱ء میں گاندھی اروِن سمجھوتا ہو گیا۔ تاریخ میں پہلی بار ہندوستانی حکومت کو ملک کے باغی رہ نماؤں کے ساتھ برابری کے درجے پر آ کر ایک معاہدہ کرنا پڑا، بہت کچھ ویسا ہی جیسا کہ دو ملکوں کے بیچ چلنے والی لڑائی کو بند کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ دونوں طرف سے ہی کچھ شرطیں رکھی گئیں۔ انگریزی سرکار سے بات کرنے کے لیے کانگریس کی طرف سے لندن میں گول میز کانفرنس میں شامل ہونے کا وعدہ دیا گیا اور تب تک عدم تعاون کی لڑائی کو بند رکھنے کا بھی۔ سرکار نے بھی گرفتار لوگوں کو جیلوں سے چھوڑ دیا اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ سمندر کے کنارے پڑے ہوئے نمک کو ہر کوئی اپنے استعمال کے لیے لے سکے گا۔

انگلینڈ اور ہندوستان دونوں ہی ملکوں میں تب دو طرح کے انگریز تھے۔ ایک وہ جو گاندھی جی

سنٹرل جیل، یروڈا

کے عدم تشدد کی کامیابی کو دیکھ کر یہ ماننے لگے تھے کہ ہندوستان کو آزادی دینی ہی ہوگی۔ دوسرے لوگ وہ تھے جو اب بھی یہ امید کرتے تھے کہ ڈرا دھمکا کر اور پھوٹ ڈال کر ہندوستان کو کافی لمبے عرصے تک زیر نگرانی رکھا جا سکتا ہے۔ گاندھی اروِن سمجھوتہ تب ہوا تھا جب اروِن کا وقت پورا ہو رہا تھا۔ ان کے واپس ہوتے ہی لارڈ ویلنگڈن ہندوستان کے نئے وائسرائے ہو کر آئے۔ وہ انگریزوں کے دوسرے طبقے کے تھے۔ ان کی اور ان کے صلاح کار انگریز افسروں کی یہی کوشش رہی کہ یہ سمجھوتہ ٹوٹ جائے۔ طرح طرح کے بہانوں سے وہ ملک کے عوام کے غصّے کو بھڑکانے کی کوشش کرنے لگے تاکہ کانگریس لندن کی گول میز کانفرنس میں شامل ہونے کا ارادہ چھوڑ دے۔ لاہور سازش کیس میں پھنسائے گئے سردار بھگت سنگھ وغیرہ کو انگریزی عدالت نے پھانسی کی سزا دے دی۔ گاندھی جی کے لاکھ سمجھانے پر بھی کہ اس سے سارے ملک میں غصّے کی آگ پھیل جائے گی بھگت سنگھ کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔

انگلینڈ میں بھی حکومت میں ایسے ہی لوگوں کا زور زیادہ تھا جو ہندوستان کی آزادی کے راستے میں طرح طرح کے اڑنگے لگانا چاہتے تھے۔ گول میز کانفرنس میں بھی زیادہ تر ایسے ہی لوگ بلائے جا رہے تھے جو انگریزی حکومت کا ساتھ دینے والے تھے۔ اس کے علاوہ الگ الگ مذہبوں کو ماننے والوں کے الگ الگ نمائندوں کو بھی حکومت نے بلایا تھا۔ عیسائیوں، سکھوں، مسلمانوں کے ہی نہیں ہندوؤں میں اچھوت کہلانے والے فرقے کی بھی نمائندگی تھی اور کانگریس کو صرف اونچی ذات کے لوگوں کا نمائندہ مان لیا گیا تھا۔

یہ ساری باتیں ایسی تھیں کہ کانگریس اور گاندھی جی کو لندن جانا بالکل بے کار معلوم ہونے لگا۔

آخر برٹش حکومت پھر کچھ جھکی۔ اُسے یہ اعلان کرنا پڑا کہ کانفرنس میں کوئی بھی بات محض اکثریتِ رائے سے طے نہیں ہوگی۔ برٹش سرکار صرف ہر طرح کی رائے کو جاننے کے لیے ہر طرح کے لوگوں کو بلا رہی ہے۔ تب کانگریس نے اکیلے گاندھی جی کو ہی اپنا نمائندہ بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا لیکن گول میز کانفرنس پوری طرح ناکامیاب رہی اور ہندوستان واپس لوٹتے ہی بمبئی میں گاندھی جی پھر گرفتار کر لیے گئے ساتھ ہی ساتھ ملک کے اور بہت سے رہ نما بھی۔

لوگ مشکل سے ایک سال جیلوں سے باہر رہ پائے تھے کہ جیلوں میں بند ہونے کے لیے ہزاروں

کی تعداد میں پھر میدان میں اُتر آنا پڑا۔ جیل میں پچھلی بار ملی ساری تکلیفوں کو بھول کر وہ پھر تیار ہو گئے۔

صوبوں میں کانگریسی وزارت اور دوسری جنگِ عظیم

پھر ویسے ہی ظلم شروع ہوئے، پھر ویسی ہی قربانیاں ہونے لگیں۔ پھر ملک کے سبھی قومی ادارے ضبط کر لیے گئے، پھر سبھی کانگریسی کمیٹیوں کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا، پھر سبھی اخباروں سے ضمانت کی بڑی بڑی رقمیں مانگی گئیں جنھیں ادا نہ کرنے پر وہ بند ہو گئے۔ محبانِ وطن کے پریسوں میں کانگریس کا لٹریچر پھر چوری چھپے چھاپا جانے لگا اور چرخہ سنگھ اور اچھوتوں کی بھلائی کے آشرموں کے ذریعہ یہ اشتہار اور پرچے گاؤں گاؤں میں بانٹے جانے لگے۔

تحریک پورے زوروں پر تھی کہ انگلینڈ کے وزیرِاعظم نے ہندوستان کو اگلی قسط میں دی جانے والی سرکاری اصلاحات کے بارے میں اپنا یہ فیصلہ دیا کہ اچھوتوں کو ہندوؤں سے الگ مانا جائے گا اور چناؤ ہونے پر انھیں اپنا الگ نمائندہ چننے کا حق ہوگا۔

گاندھی جی کے پاس بھی جیل میں یہ فیصلہ پہنچا۔ وہ پہلے ہی انگریزوں کو آگاہ کر چکے تھے کہ اگر ایسا کیا گیا تو وہ اپنی جان کی بازی لگا دیں گے۔ یہ فیصلہ سنتے ہی انھوں نے بھوک ہڑتال شروع کر دی۔

۲۰ر ستمبر ۱۹۳۲ء کو یہ بھوک ہڑتال شروع ہوئی۔ سارے ملک میں ہزاروں لاکھوں لوگوں نے گاندھی جی کی جان کی حفاظت کے لیے اس دن خدا سے دُعا کی اور برت رکھا۔ اس برت کی وجہ سے اونچی ذات کے ہندوؤں میں نئی روشنی آئی اور اچھوتوں کے رہنماؤں کے بھی دل بدلے۔ آخر گاندھی جی کے سامنے ہی ایک سمجھوتے پر ان سبھی رہنماؤں کے دستخط ہوئے اور برٹش سرکار سے اس فیصلے کو رد کرنے کی مانگ کی گئی۔ آخر میں وہ فیصلہ رد ہو گیا اور اونچی ذات والے ہندو گاندھی جی کی رہنمائی میں چھوت چھات کو ختم کرنے میں لگ گئے۔ گاندھی جی نے اچھوتوں کا نیا نام رکھا "ہری جن" یعنی خدا کے بندے اور اپنے انگریزی، ہندی اور گجراتی کے اخباروں کا نام بھی "ہری جن"

رکھ دیا۔ یہی نہیں انھوں نے اپنے سابرمتی آشرم کو بھی ہریجن تحریک کے کام کرنے والوں کا آشرم بنا دیا۔

خان عبدالغفار خاں

ستیہ گراہیوں میں سے بھی بہت سے اسی کام میں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے تھے۔ پھر بھی بہت لوگ عدم تعاون کو جاری رکھنا چاہتے تھے اس لیے گاندھی جی کے مشورے پر مجموعی طور پر تو تحریکِ عدم تعاون کو بند کر دیا گیا لیکن جو لوگ عدم تعاون جاری رکھنا چاہتے تھے انھیں اپنے طور پر ایسا کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس دوران دلی کی مرکزی اسمبلی کے لیے چناؤ بھی قریب آ رہے تھے۔ کانگریس نے اس چناؤ میں اپنے نمائندے بھیجنے کا بھی فیصلہ کر لیا۔

۱۹۳۵ء میں برٹش سرکار نے ہندوستان کے لیے نئی حکومت کا اعلان کیا۔ اس بنیاد پر ۱۹۳۷ء کے شروع میں سب ضلعوں میں بھی نئے چناؤ ہوئے۔ ان چناؤ میں کانگریس کو ان سبھی ضلعوں میں جہاں مسلمانوں کے مقابلے ہندوؤں کی آبادی زیادہ تھی بہت بڑی تعداد میں کامیابی ملی۔ بلکہ ایک ایسے صوبے میں بھی اُسے بھاری کامیابی ملی جہاں کی آبادی زیادہ تر مسلمانوں کی ہی تھی۔ یہ تھا جنوب مغربی سرحدی صوبہ۔

- گاندھی جی کی عدم تشدد تحریک کے ایک بڑے کمانڈر خان عبدالغفار خاں تھے جو بات پر لڑ مرنے والے پٹھانوں کی قوم سے تھے پھر بھی عدم تشدد تحریک میں گاندھی جی کے سب سے نامی مددگار تھے، یہاں تک کہ وہ سرحدی گاندھی کے نام سے مشہور ہو گئے۔ انھوں نے پشاور میں

خدائی خدمت گاروں کے نام سے عدم تشدد پسند پٹھانوں کی ایک ٹولی ۱۹۳۰ء کی تحریک میں ہی تیار کرلی تھی۔ ان لمبے چوڑے تگڑے پٹھانوں کو خاموشی سے لاٹھیاں کھاتے دیکھ کر سارا ملک دنگ رہ گیا تھا۔ سرکار نے وہاں سخت سے سخت ظلم کیا تھا۔ ایک بار تو فوج کی ایک گڑھوالی ٹکڑی کا اس لیے کورٹ مارشل کیا گیا کہ اس نے ان نہتے مگر عدم تشدد پسند پٹھانوں پر گولیاں چلانے سے انکار کردیا تھا۔

لیکن چناؤ میں سرحدی گاندھی کی ہی جیت ہوئی اور ووٹروں نے کانگریس کو ہی بہت بڑی تعداد سے چن کر وہاں کی کونسل میں بھیجا۔

کانگریس کا ارادہ ان کونسلوں میں جاکر وزارت بنانے اور سرکار چلانے کا نہیں تھا۔

انگریزی سرکار نے دیکھا کہ اگر کانگریس اپنی سرکار بنانے کے لیے تیار نہیں ہوتی تو سارا کھیل ہی بگڑ جائے گا۔ گاندھی جی اور وائسرائے کے درمیان طویل خط و کتابت ہوئی۔ کانگریس نے یہی کہا کہ وہ اُسی وقت وزارت بنانے پر راضی ہوگی جب سرکار وعدہ کرے کہ گورنر اس کے فیصلوں کے خلاف قدم نہیں اٹھائیں گے۔ کافی وقت تک حکومت یہ وعدہ کرنے سے گھبراتی رہی۔ اس نے کونسل کی دوسری پارٹیوں کی حکومت بنانے کی بھی کوشش کی۔ مگر انھوں نے جو بھی تجاویز پیش کیں انھیں کانگریسی نمائندوں کی اکثریت رد کرتی چلی گئی۔

آخر وائسرائے نے کانگریس کی شرطیں مان لیں۔ انگریزی حکومت اس طرح ملک کو صوبائی آزادی دینے کے لیے مجبور ہوگئی۔ ملک کے زیادہ تر صوبوں میں کانگریس کی وزارتیں بنیں۔ عدم تشدد نے کچھ ہی سالوں میں وہ کر دکھایا جس کی دنیا نے کبھی امید تک نہیں کی تھی۔

صوبائی آزادی کو ملے تین سال ہی ہوئے تھے کہ دوسری جنگِ عظیم شروع ہوگئی۔ جرمنی کے خلاف اپنی لڑائی میں انگلینڈ نے ہندوستان کے چُنے ہوئے نمائندوں کی رائے لیے بغیر ہی ہندوستان کو بھی شامل کرلیا۔

یہ پورے ملک کی بہت بڑی بے عزتی تھی۔ کانگریس کی تجویز پر سبھی کانگریسی صوبوں کے وزیروں نے استعفیٰ دے دیا۔

انگلینڈ میں جنگِ عظیم کے زمانے میں چرچل کی جو سرکار اپنی زبردست شکستوں کے باوجود بھی ہمت نہیں ہار رہی تھی اور بہادری کے ساتھ لڑے چلی جارہی تھی وہ ہندوستان کی آزادی کے معاملے میں بہت ہی فرسودہ خیال والی تھی اس لیے جب ۱۹۴۲ء میں جرمنی کے ساتھی جاپان نے سنگاپور اور برما سے انگریزوں کو پوری طرح کھدیڑ دیا اور ہندوستان کی طرف بڑھنے کی تیاری شروع کردی تو کانگریس کے سامنے پھر سے ملک گیر ستیہ گرہ کی لڑائی چھیڑ دینے کے سوا کوئی دوسرا چارہ نہیں رہ گیا۔ گاندھی جی نے انگریزوں سے صاف صاف کہا کہ ہندوستان کو چھوڑ کر چلے جاؤ، جاپانیوں سے اپنا بچاؤ ہم خود کرلیں گے

اس سلسلے میں نیتا جی سبھاش بوس کو ہم نہیں بھول سکتے۔ جنگِ عظیم چھڑنے کے بعد وہ اپنے گھر میں نظربند تھے، مگر وہاں سے وہ کسی ترکیب سے غائب ہوگئے اور ایک دن اچانک جرمنی کے برلن ریڈیو پر اُن کی آواز سُنائی دی۔ اس کے بعد سبھاش چندر بوس کبھی جرمنی میں رہے کبھی اٹلی میں اور کبھی جاپان میں۔ ہندوستان کو غلام بنائے رکھنے والے انگریزوں کا ہر دشمن ان کا دوست بن گیا تھا۔

آزاد ہند فوج اور "ہندوستان چھوڑو تحریک"

جاپانیوں کے ہاتھ میں جو قیدی ہندوستانی سپاہی تھے، انھیں لے کر انھوں نے ایک "آزاد ہند فوج" بنائی اور وہ خود اس کے نیتا بنے۔ ان کی فوج والے انھیں نیتا جی کہنے لگے۔ نیتا جی نے تبھی "جے ہند" کے فوجی سلام کی رسم چلائی۔

اس طرح ۱۹۴۲ء میں ایک طرف نیتا جی نے جاپان کی طرف سے ہندوستان والوں کو ریڈیو پر یہ بھروسا دینا شروع کیا کہ وہ انگریزوں کو نکال دیں تو ہندوستان کو آزاد کرانے میں جاپان ان کی مدد کرے گا دوسری طرف ملک کے اندر گاندھی جی نے نعرہ بلند کیا "انگریزو! ہندوستان چھوڑ دو۔"

یوں بھی انگریزی فوجوں کو حکم مل چکے تھے کہ آسام، بنگال اور بہار کو چھوڑ کر وہ پیچھے ہٹنے کے

سبھاش چندر بوس

لیے تیار رہیں۔ کانگریس کو اس بات کا بھی پتہ چل گیا تھا کہ پیچھے ہٹنے والی انگریزی فوجیں سبھی بڑے بڑے کارخانوں، ریلوں، پلوں کو برباد کرتی جائیں گی تاکہ وہ جاپانیوں کے ہاتھوں میں نہ پڑنے پائیں۔ گاندھی جی نے اس کی مخالفت کی۔ ہندوستان کی اتنی قیمتی دولت کو برباد کرنے کا حق انگریزوں کو کس نے دیا تھا۔

آخر کانگریس اور سرکار کے بیچ اگست ۱۹۴۲ء میں کھلی لڑائی چھڑ گئی۔ "کرو یا مرو" گاندھی جی کا سارے شہریوں کو حکم تھا۔

گاندھی جی کا یہ حکم دینا تھا کہ دونوں طرف سے زبردست لڑائی چھڑ گئی۔ سارے ملک میں چھوٹے بڑے سبھی کانگریسی نیتاؤں کو سرکار نے فوراً ہی جیلوں میں بند کر دیا۔ رہ نماؤں کے بغیر عوام نے ریل کی پٹریوں، تار کے کھمبوں، سڑکوں اور پلوں کی توڑ پھوڑ شروع کر دی، فوج اور پولیس نے گولیاں چلائیں۔ سیکڑوں، ہزاروں لوگ مارے گئے۔ بدلے میں عوام نے بھی پولیس کی کتنی ہی چوکیاں پھونک ڈالیں۔ کچھ دن کے لیے سارے ملک میں آگ سی لگ گئی۔

ریل گاڑیاں بند ہو گئیں کیوں کہ ریل کی پٹریاں جگہ جگہ دور دور تک اکھاڑ پھینک دی گئی تھیں۔ فوجوں کا آنا جانا کتنے دنوں تک رکا رہا۔ سڑکیں بھی جگہ جگہ سے کاٹ دی گئی تھیں اور چھوٹے چھوٹے کتنے ہی پلوں کو توڑ ڈالا گیا تھا۔ فوج کی جیپوں اور ٹرکوں کے لیے راستے بند ہو گئے تھے۔

سارے ملک میں جو توڑ پھوڑ ہوئی تھی حکومت کو اسے درست کرانے میں مہینوں لگ گئے۔ توڑ پھوڑ کی کارروائیوں کے سلسلے میں پکڑے گئے لوگوں کو جیلوں میں بڑی سے بڑی ایذائیں پہنچائی گئیں تاکہ وہ اپنے چھپے ہوئے ساتھیوں کے بارے میں سرکار کو بتا دیں۔ بہار کی جیل سے نکل بھاگنے کے بعد چھپے ہی چھپے اس طرح کی کارروائیوں کی رہ نمائی کرنے والے جے پرکاش نرائن کو جب آخر پھر گرفتار کر کے لاہور کی جیل میں نظر بند کر دیا گیا تو گھنٹوں انھیں برف کی سلیوں پر بٹھائے رکھا جاتا تھا، لگاتار نہ جانے کتنی راتوں تک انھیں سونے نہیں دیا گیا تاکہ گھبرا کر وہ ساری اہم خبریں اگل دیں۔

دو ڈھائی سال تک سارا ملک ایک بڑا جیل خانہ بنا رہا۔ انگریز فوجوں کو بھی قدم قدم پر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اس دوران لڑائی میں جرمنی کمزور پڑتا چلا گیا۔ سوویت یونین نے اس کے دانت کھٹے کرنے شروع کر دیے تھے۔ روس سے جب جرمن فوجوں کو الٹے پاؤں لوٹنا پڑ گیا تب امریکی فوجوں کی مدد سے انگریزوں نے جرمنی کو گھیرنے کے لیے دوسرا مورچہ کھول دیا۔ ادھر مشرق میں جاپان کے بھی بڑھتے قدم رک گئے۔ آخر گاندھی جی جیل سے رہا کیے گئے۔ باقی نیتا بھی دھیرے دھیرے چھوڑے جانے لگے۔ ان کا تعاون

۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑو

حاصل کرنے کے لیے سرکار کی طرف سے کبھی پھر کوششیں شروع ہوئیں
لیکن ملک کے نیتا مکمل آزادی سے کم پر کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں تھے۔

۱۹۴۵ء میں جنگِ عظیم ختم ہوئی اور اس سے پہلے ہی ہندوستان کی مشرقی سرحد پر جاپانیوں کی ہار شروع ہو گئی۔ نیتا جی سبھاش چندر بوس کا ساتھ دینے والی آزاد ہند فوج کے بہت سے لوگوں کو گرفتار کرکے ہندوستان لایا گیا اور ان پر حکومت کا باغی ہونے کے مقدمے شروع کیے گئے۔ ان بہادر محبانِ وطن کو چھڑوانے کے لیے ایک زبردست آواز اٹھی اور جگہ جگہ مظاہرے بھی ہوئے۔ جاپان کی ہار اور جنگِ عظیم کے ختم ہونے کے ساتھ ساتھ جب یہ خبر بھی آئی کہ نیتا جی سبھاش چندر بوس کا ہوائی جہاز جاپان جاتے جاتے جل گیا اور ان کا انتقال ہو گیا تو رنج کی ایک ایسی آندھی اٹھی جس نے سارے ملک کو جھنجھوڑ ڈالا۔

آزاد ہند فوج کے افسروں اور سپاہیوں پر دلی کے لال قلعے میں مقدمہ شروع ہوا۔ سارے شہریوں کی آنکھیں ادھر ہی لگی تھیں۔ انھیں چھڑانے کے لیے بڑے سے بڑے وکیلوں نے اپنی طاقت لگا دی۔ یہاں تک کہ جواہر لال نہرو بھی، بیرسٹروں والا اپنا سیاہ گاؤن پہن کر اس مقدمے میں ان کی وکالت کے لیے جا پہنچے۔

مقدمے کی کارروائیاں اخباروں میں مفصل خبروں کے ساتھ چھاپی جانے لگیں۔ نیتا جی سبھاش چندر بوس کی بہادری کی جو جھانکیاں اس مقدمے کے سلسلے میں لوگوں تک پہنچنے لگیں انھیں پڑھ پڑھ کر وہ نیتا جی کے دیوانے بن گئے۔ کچھ دن بعد ۱۹۴۶ء کے جنوری مہینے میں جب ان کا جنم دن آیا تو سارے ملک میں اسے بڑی دھوم دھام سے منایا گیا۔ کلکتے میں تو جوش کی آندھی ہی آ گئی بہت سوں کو اس بات پر بھی یقین نہیں تھا کہ نیتا جی کا انتقال سچ مچ ہو گیا ہے۔ ان کی آزاد ہند فوج کے جن خاص خاص نیتاؤں کیپٹن شاہ نواز خاں، کیپٹن کرنل ڈھلون اور کیپٹن سہگل کا نام اس مقدمے کے سلسلے میں روز ہی اخباروں کی سرخیوں میں آ رہا تھا وہ عوام کی آنکھوں کے تارے بن گئے۔

آخر حکومت کا تخت ہل اٹھا۔ عدالت نے تو قانون کے مطابق آزاد ہند فوج کے ان نیتاؤں کو جیل کی لمبی لمبی سزائیں دیں لیکن عوام کے غصّے کے ڈر سے سرکار نے انھیں فوراً ہی آزاد کر دیا۔ سارے ملک میں ان نیتاؤں کے جلوس نکالے گئے۔ اور نیتا جی کی طرف سے دیا گیا "جے ہند" کا نعرہ تبھی سے ہندوستانیوں کا سب سے پیارا نعرہ بن گیا۔

سارے ملک میں ایک بار پھر سے نفرت انگیز قتلِ عام شروع ہو گیا۔ کلکتے وغیرہ میں تو ایک بار کچھ دنوں کے لیے یہ حالت ہو گئی کہ انگریزوں کا سڑک پر نکلنا مشکل ہو گیا۔ ہندوستانی نوجوان گوری پولیس اور فوج کی جیپوں کو سڑکوں پر روک کر جلانے لگ گئے۔ لوگوں کے دلوں سے فوج کا ڈر تو جیسے بالکل ہی نکل گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے تک گورے سنتریوں کے سامنے پہنچ کر انھیں طعنہ دیتے جھجکتے نہیں تھے۔

بغاوت کی چنگاریاں ہوا میں اس طرح اڑنے لگی تھیں کہ ہندوستانی فوج میں بھی بغاوت کا اثر دکھائی دینے لگا، بلکہ فروری ۱۹۴۶ء میں ہوائی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں نے تو بغاوت کر بھی ڈالی اور کئی دن تک انھوں نے اپنے گورے افسروں کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ بمبئی میں ان کی ہمدردی میں عوام نے بھی ہڑتال کر دی اور کچھ لوگوں نے سرکاری عمارتوں اور خزانوں کو لوٹنا اور جلانا شروع کر دیا۔ پولیس نے گولیاں چلائیں اور ۲۰۰ سے زیادہ لوگ مارے گئے۔ سردار پٹیل نے بیچ میں پڑ کر مرکزی حکومت اور ہندوستانی ہوائی فوجیوں میں سمجھوتہ نہ کروایا ہوتا تو پتہ نہیں یہ آگ اور کتنی دور تک پھیلتی۔

جنگ ختم ہوتے ہوتے انگلینڈ میں پھر سے عام چناؤ ہو چکے تھے اور وہاں چرچل سرکار کی جگہ لارڈ اٹیلی کی لیبر پارٹی کی حکومت برسرِ اقتدار آ چکی تھی۔ ہندوستان میں بھی جنگِ عظیم سے پہلے والی صوبائی آزادی پھر سے شروع کر دی گئی اور صوبائی کونسلوں کے لیے نئے چناؤ ہو گئے تھے۔ کانگریس پھر پوری طاقت سے پہلے والے صوبوں میں اپنی وزارت بنا چکی تھی لیکن انگریزی سرکار دیکھ رہی تھی کہ اب ہندوستان کے لوگ اس ادھوری آزادی سے راضی نہیں رہ سکتے زیادہ دیر کی گئی تو نہ صرف انگریزوں کو اس ملک سے بے عزت ہو کر نکلنا پڑے گا، بلکہ آزاد ہندوستان ہمیشہ برطانیہ کا دشمن ہو جائے گا۔

کیبنٹ مشن

آخر ہندوستان کی آزادی کا نقشہ تیار کرنے کے لیے برٹش وزارت کے تین ممبر یہاں آئے لیکن انگریزوں نے یہاں کے عوام میں پھوٹ پیدا کرنے کی جو کوششیں جاری رکھی تھیں وہ اتنی بڑھ چکی تھیں کہ ان کے نتائج پر قابو پانا اب انگریزوں کے بس سے بھی باہر ہو گیا تھا۔ ہندو۔ ہندو کے درمیان یعنی اچھوتوں اور اونچی ذات کے ہندوؤں میں جو تفریق انگریزوں نے پیدا کرنی چاہی تھی وہ تو گاندھی جی کی بھوک ہڑتال اور ہریجن تحریک کی بدولت پنپنے سے پہلے ہی ختم ہو گئی تھی لیکن ہندو مسلمان کے درمیان پھوٹ کی بیل پھیلتی ہی چلی گئی تھی۔

جنگِ عظیم ختم ہو جانے کے بعد ہندوستان میں انگریز جس دلدل میں پھنس گئے تھے اس سے چھٹکارا پانے کا کوئی راستہ ڈھونڈنے جب برٹش وزارت کے ممبر یہاں آئے تو مسلم لیگ کے ممبر جناح صاحب اڑ گئے کہ اگر ملک کے دو ٹکڑے نہیں کیے جاتے تو پھر دلّی کی مرکزی سرکار میں ہندو اور مسلم وزیروں کی تعداد برابر ہوگی اور سب مسلمان وزیر مسلم لیگ سے ہی لیے جائیں گے یعنی جناح صاحب کے انتخاب کردہ لوگ۔

اس کے لیے بھلا کانگریس کیسے تیار ہو سکتی تھی۔ وہ نہ تو خود کو صرف ہندوؤں کی جماعت ماننے کو تیار تھی اور نہ کانگریسی مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر سکتی تھی۔

برٹش وزارت کے جو تین ممبر یہاں کوئی راستہ ڈھونڈنے آئے تھے وہ کوشش کر کے تھک گئے لیکن جناح صاحب کو راستے پر نہیں لا سکے۔

سوراجیہ کس طرح کا ہو اور اس کی شکل کیسی ہو، دلّی میں جو مرکزی سرکار بنے اس میں ملک کے سبھی طرح کے لوگوں کو کتنا حصہ ملے ان ساری باتوں کا فیصلہ کرنے کے لیے اب انگریز سرکار نے آئین تیار کرنے کے لیے ایک قانون ساز اسمبلی کی تشکیل کا فیصلہ کیا۔ اس نے یہ بھی طے کیا کہ جب تک اسمبلی آزادی کا مکمل خاکہ نہ تیار کر لے تب تک کے لیے دلّی کی مرکزی سرکار
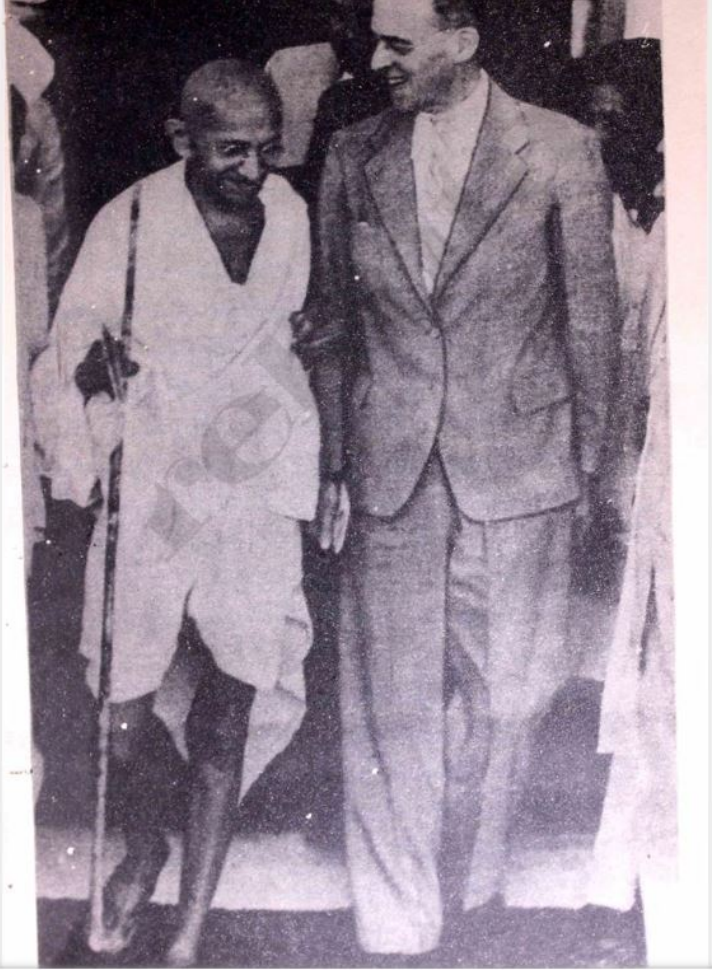
کو چلانے میں وزیروں کی ایک کونسل وائسرائے کی مدد کرے گی۔

کانگریس نے تو ان فیصلوں کو منظور کر لیا مگر جناح صاحب اپنی پچھلی شرطوں پر ہی اڑے رہے۔ یہی نہیں جب انھیں یہ ڈر ہوا کہ انگلینڈ کی سرکار انھیں پوری طرح مطمئن کیے بغیر ہی اس ملک کو چھوڑ کر جانے والی ہے تو اُسے ڈرانے اور جھکانے کی نیت سے انھوں نے بھی ۱۶؍اگست ۱۹۴۶ء کو ملک بھر کے مسلمانوں کی طرف سے "سیدھی کارروائی کا دن" کا اعلان کر دیا۔ یہ سیدھی کارروائی یا کھُلی لڑائی دراصل سرکار کے خلاف نہیں بلکہ کانگریس کے خلاف ہونی تھی۔ گویا اس طرح ہندو مسلم فسادات کو ہوا دینا تھا۔

ہندو مسلم اتحاد کے لیے گاندھی جی اور کانگریس نے برسوں جو محنت کی تھی وہ ایک دن کے اندر برباد ہو گئی۔

پھر کیا تھا، سارے ملک میں ہندو مسلم فساد جنگل کی آگ کی طرح پھیلنے لگے۔ پہلے کلکتے میں زبردست خوں ریزی ہوئی پھر بنگال کے ڈھاکا اور نواکھالی ضلعوں میں۔ جہاں مسلمان زیادہ تھے وہاں ہندوؤں کا صفایا کیا جانے لگا اور بہار وغیرہ میں جہاں ہندو زیادہ تھے مسلمانوں کا۔ جناح صاحب دور سے ہی تماشا دیکھتے رہے۔ صرف گاندھی جی اور جواہر لال نہرو، راجندر پرشاد جیسے کانگریسی نیتا مسلمانوں کو ہندوؤں سے بچانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

وائسرائے لارڈ ویول کو تب لاچار ہو کر جناح صاحب کو نظر انداز کرنا پڑا اور صرف کانگریس کے مشورے سے ہی دلی کی مرکزی وزارت کے ناموں کا انھوں نے اعلان کر دیا۔ اس کے رہنما ہوئے جواہر لال نہرو اور کانگریس کے بڑے بڑے لیڈر سردار پٹیل، راجندر پرشاد اور راج گوپال آچاری بھی اس میں شامل کیے گئے۔ جناح صاحب کی دال جب اس طرح بھی نہیں گل پائی تو لاچار ہو کر انھیں جھکنا پڑا۔ نہرو کی رہنمائی میں وزارت میں نئی تبدیلیاں کی گئیں اور مسلم لیگ کے بھی کچھ وزیر اس میں آ گئے۔
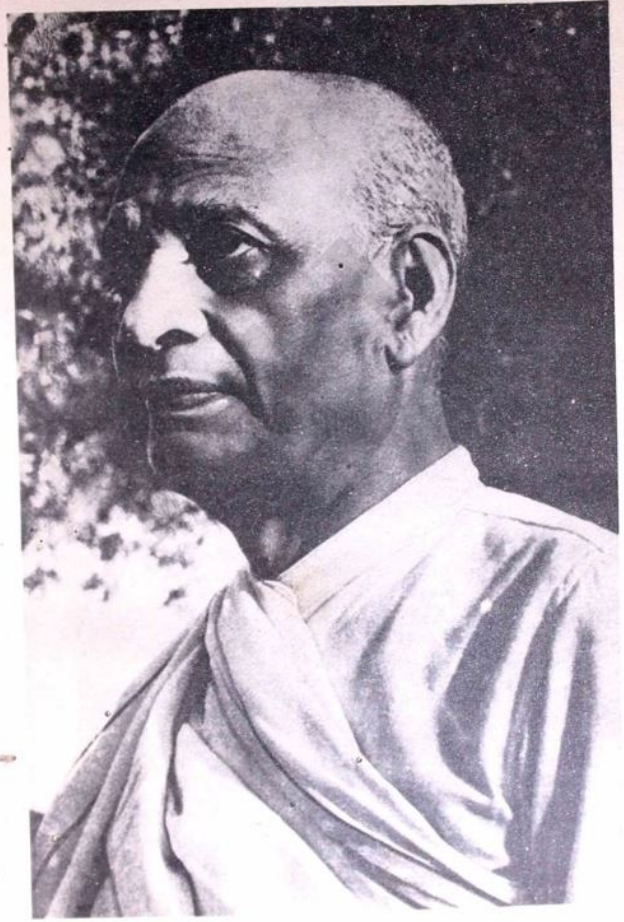
جناح صاحب نے اب دوسری
چال چلی۔ انھوں نے مسلم لیگی وزیروں
کو حکم دیا کہ وہ نہ تو وزیروں کی کونسل کے
رہنما نہرو کی کوئی بات مانیں اور نہ وزارت
سے اکثریت کی رائے سے ہونے والے فیصلوں
پر ہی عمل کریں۔ مسلم لیگی وزیر لیاقت علی خاں کے ہاتھ
میں فنانس تھا جو سارے سرکاری خرچوں کی منظوری
دیتا تھا۔ کانگریسی وزیروں کے ذریعہ کی جانے والی رقموں کو
دینے سے وہ انکار کرنے لگ گئے جس سے سارا کام کاج ٹھپ
پڑنے لگا۔ نیا قانون بنانے کے لیے ڈاکٹر راجندر پرشاد کی
صدارت میں اسمبلی کی جو نشست ہوئی اس میں بھی مسلم لیگی
نمائندے شامل نہ ہوئے اور اپنی شرطوں پر ہی اڑے رہے۔
جواہر لال نہرو نے والسرائے کے سامنے یہ ساری باتیں
رکھیں اور لندن میں وزیراعظم کو بھی لکھا۔ وہ اتنے تنگ آگئے
کہ آخر استعفیٰ دینے کا پکّا ارادہ کر لیا۔

برٹش سرکار کے ہاتھ پاؤں اب پوری طرح پھول گئے۔ لارڈ ویول سے استعفیٰ مانگا گیا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو نیا وائسرائے بنا کر ہندوستان بھیجا گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی اعلان کر دیا گیا کہ انگریز اب کچھ ہی مہینوں کے اندر ہندوستان کو چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اب انگریزوں کے لیے ہندوستان میں رہنا بہت مشکل پڑ رہا تھا۔ آزادی کی تحریک بند ہونے والی نہیں تھی نہ جناح صاحب ہی کسی طرح اپنی ضد چھوڑنے والے تھے۔ آخر میں ہندوستان کے آخری انگریز وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جو تجویز رکھی اس کے مطابق ملک کے دو ٹکڑے کر کے انگریز ہندوستان سے جانے کو تیار ہو گئے۔

سارے ملک میں زبردست ماتم چھا گیا۔ نہ کانگریس کی جیت ہوئی تھی نہ مسلم لیگ کی۔ نہ گاندھی جی کی مراد پوری ہوئی تھی کہ ملک متحد رہے گا اور ہندو مسلم بھائی بھائی کی طرح رہیں گے اور نہ جناح صاحب کی ہی۔ انھیں جو پاکستان ملا وہ نہ صرف دو ٹکڑوں میں تقسیم تھا بلکہ ان دو ٹکڑوں کے بیچ ڈیڑھ ہزار میل کا فاصلہ تھا۔ اس طرح کے پاکستان کی انھوں نے امید بھی نہیں تھی۔

کانگریس کو بڑا کڑوا گھونٹ پینا پڑا تھا مگر جناح صاحب کی سیاست نے ملک بھر کے مسلمانوں میں ہندوؤں کے لیے جو نفرت پیدا کر دی تھی اس کی وجہ سے کانگریس کے سامنے بھی اب کوئی دوسرا راستہ نہیں رہ گیا تھا۔

کانگریس کے لیے ایک بڑی افسوس ناک بات یہ بھی تھی کہ جنوب مغربی سرحدی صوبے کے پٹھانوں کو ان کی مرضی کے خلاف پاکستان میں شامل کر دیا گیا تھا۔ کانگریس اسے روکنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکی۔ سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خاں کو جناح صاحب اپنا سب سے بڑا دشمن جانتے تھے کیوں کہ سرحدی صوبے کے مسلمان پٹھان کانگریس کے ساتھ تھے۔ آزادی حاصل ہونے تک بھی سرحدی گاندھی کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان صاحب ہی سرحدی صوبے کے وزیراعظم تھے۔

"آزادی کا دن" ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء

آخر وہ دن بھی آیا۔ ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان دو آزاد ملکوں کی شکل میں تقسیم ہو گیا۔ ایک طرف جہاں ہندوستانی ملک کے ٹکڑے ہونے پر دُکھی تھے، وہاں دوسری طرف آزاد ہو جانے کی خوشی بھی تھی۔ کتنوں نے اس بات کا کبھی خیال تک نہیں کیا تھا کہ سچ مچ غیر ملکیوں سے ملک کو آزادی مل جائے گی۔ آزادی کی لڑائی کا نشان ہمارا قومی جھنڈا ملک بھر کی سرکاری عمارتوں پر لہرائے گا۔

۱۴ اور ۱۵ اگست کی درمیانی رات کو نئی دہلی میں جواہر لال نہرو نے آزاد ہندوستان کے پہلے وزیرِ اعظم کی حیثیت سے قسم لی اور ۱۵ اگست کو لاکھوں مرد عورتوں کی جوش اور خوشیوں کی آوازوں کے درمیان دتی کے تاریخی لال قلعے پر آزاد ہندوستان کا نشان ترنگا جھنڈا لہرایا۔ وہی جھنڈا جس کے گیت گاتے گاتے ہزاروں محبانِ وطن نے قربانیاں دی تھیں، جیل گئے تھے، ڈنڈے کھائے تھے، گولیاں کھائی تھیں۔

جھنڈا اونچا رہے ہمارا
وجے وشو ترنگا پیارا
سدا شکتی برسانے والا
پریم سُدھا سرسانے والا

یوم آزادی پر گیٹ وے آف انڈیا، بمبئی

راج گوپال اچاری ہندوستان کے آخری گورنر جنرل

ویروں کو ہرشانے والا
ماتر بھومی کا تن من سارا
سارے ملک میں خوشیاں منائی گئیں، جلسے ہوئے، دعوتیں دی گئیں، رات کو دیوالی سے بھی بڑھ

جمہوریۂ ہندوستان
متحدہ اور سیکولر
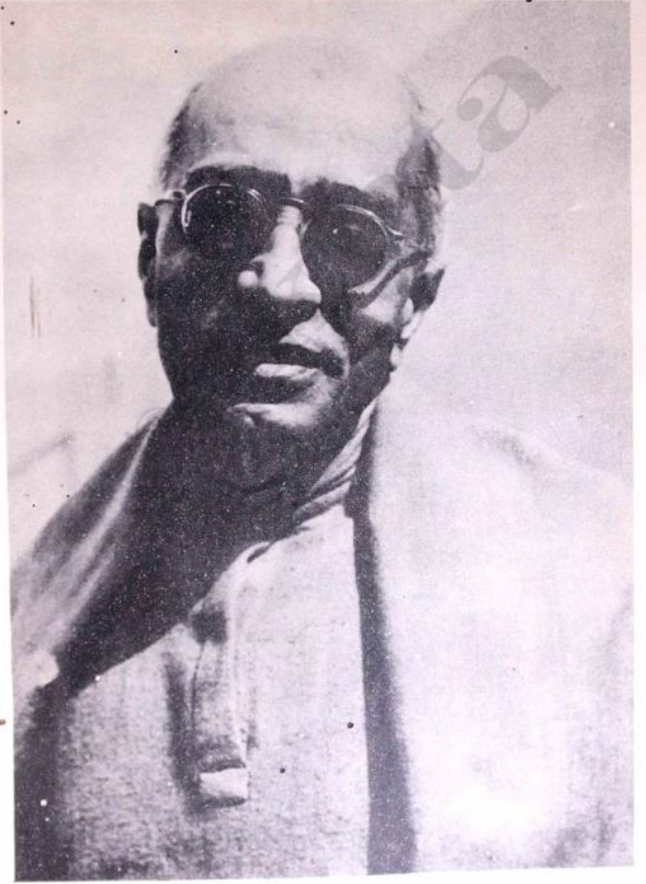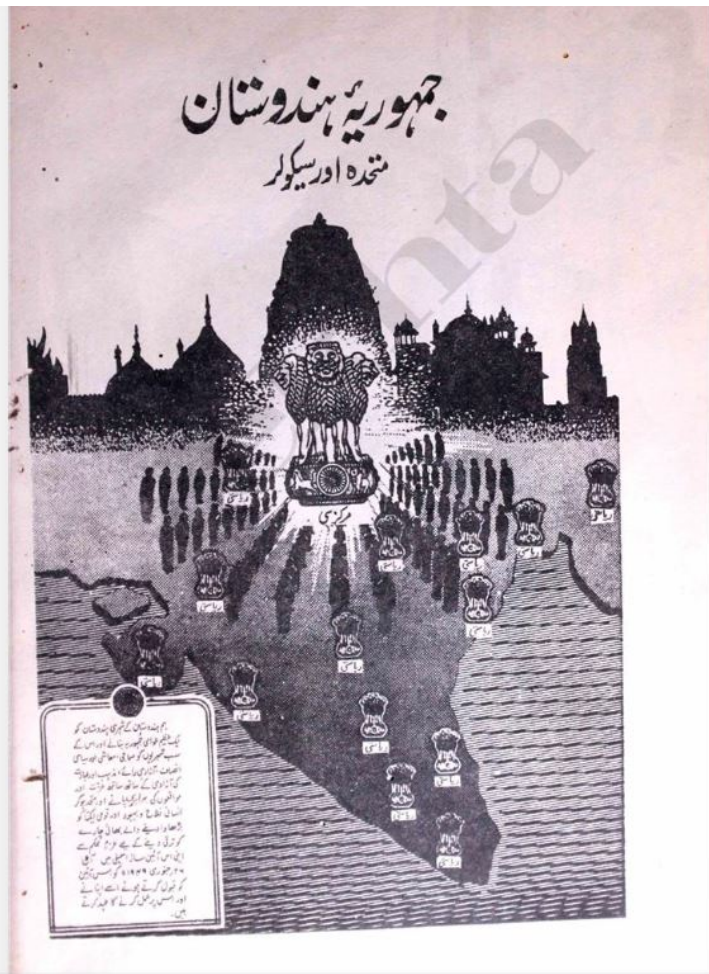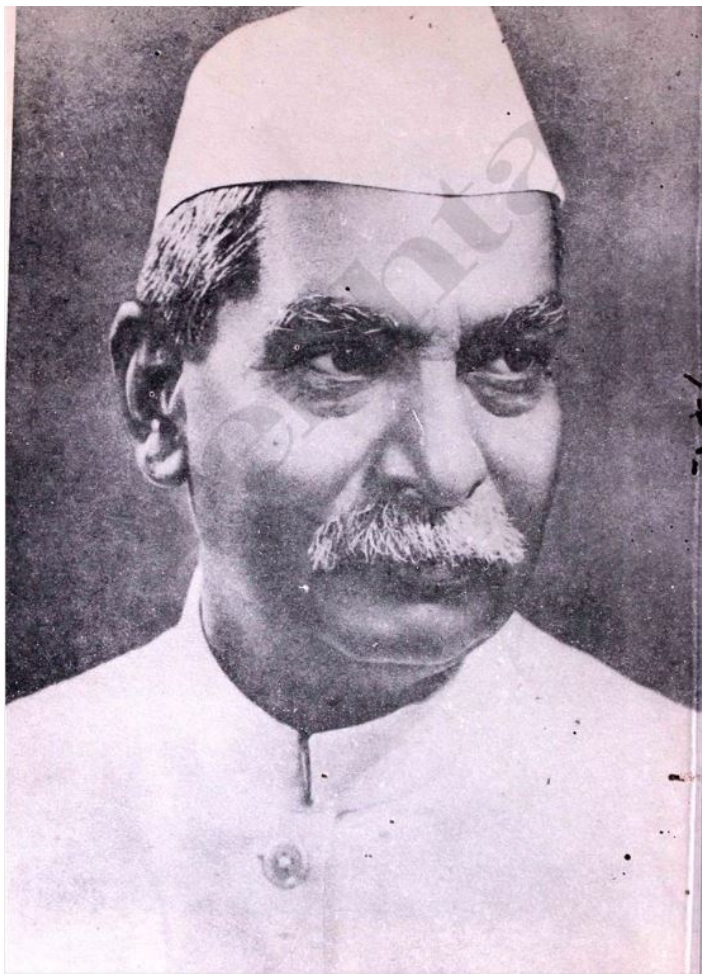
کر روشنی کی گئی۔ کئی دنوں تک خوشی منائی جاتی رہی اور راتیں جگمگاتی رہیں۔

لیکن گاندھی جی ان سب جلسوں سے بہت دور ہندوؤں اور مسلمانوں کے بیچ بھائی چارے کے خیال کو بڑھانے میں لگے ہوئے تھے۔ انھوں نے اب یہی قسم کھائی کہ جب تک جئیں گے ہندوستان اور پاکستان کے نام سے بنے ان دونوں نئے ملکوں کے ہندو مسلمانوں میں محبت قائم کرنے میں لگے رہیں گے چاہے اس کام میں انھیں اپنی جان کی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ اور آخر کچھ ہی دنوں بعد ۳۰ر جنوری ۱۹۴۸ء کو انھوں نے اپنی جان کی قربانی دے ہی دی۔

نئی نئی آزادی پانے والے ہمارے اس ملک کے سامنے بڑی نازک گھڑی آ ئی تھی یہ۔ ہمیں جب گاندھی جی کی رہنمائی کی اور بھی زیادہ ضرورت تھی وہ ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن ملک کے باقی رہنماؤں نے اس مشکل وقت کا تحمل اور بہادری کے ساتھ سامنا کیا اور نئی ملی ہوئی آزادی کو سنبھالنے کے مشکل کام میں جُٹ گئے۔

اسمبلی ملک کے لیے نیا قانون بنا رہی تھی۔ دوسری طرف ہندوستانی ریاستوں کو، جن کے سامنے اب ہندوستان میں شامل ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا، دھیرے دھیرے نئے ہندوستانی ملک کا حصہ بنالیا گیا۔

نیا قانون بن کر تیار ہوگیا جو ۲۶ر جنوری ۱۹۵۰ء کو لاگو ہوا اور ہندوستان میں جمہوریت کا اعلان ہوا۔ مرکزی حکومت کیندریہ سرکار ہوگئی اور صوبائی حکومتیں راجیہ سرکاریں۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد جمہوریتِ ہندوستان کے پہلے صدر چُنے گئے اور جواہر لال نہرو پہلے وزیر اعظم۔

قومی نشان:۔ آزاد ہندوستان کو اپنا قومی نشان بھی انتخاب کرنا تھا۔ جو قومی نشان چُنا گیا وہ اشوک کے کھمبوں کے اس نشان کا نمونہ ہے جس میں چار شیر ایک دوسرے کی طرف پیٹھ کیے بیٹھے ہیں۔ یہ کھمبے اشوک نے ہر جگہ پر قائم کیے تھے جہاں گوتم بدھ نے اپنے شاگردوں کو سبق دیے تھے۔ قومی نشان میں صرف تین شیر ہی دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے نیچے "ستیہ میو جیتے" لکھا ہے۔ اس کا مطلب ہے سچ ہی کامیاب ہوتا ہے۔

جواہر لال نہرو

قومی جھنڈا:۔ جس ترنگے جھنڈے نے آزادی کی تحریک میں لوگوں کو راستہ دکھایا تھا اُسے ہی قومی جھنڈا مانا گیا۔ اس کی شکل ضرور کچھ بدل دی گئی۔ چرخے کی جگہ اشوک چکر بنایا گیا۔ جھنڈے میں اوپر کی پٹی پیلی، بیچ کی پٹی سفید اور نیچے کی پٹی گہرے ہرے رنگ کی ہوتی ہے جس کے بیچ میں اشوک چکر گہرا نیلا ہے۔

قومی گیت:۔ رویندر ناتھ ٹھاکر کا گیت "جن گن من" قومی گیت چُنا گیا۔ یہ گیت سب سے پہلے ۲۷ر دسمبر ۱۹۱۱ء کو کلکتہ میں ہندوستانی کانگریس کے قومی اجلاس میں گایا گیا تھا۔

جن گن من ادھی نائک جے ہے
بھارت بھاگیہ ودھاتا
پنجاب سندھ گجرات مراٹھا
دراوڑ اُتکل بنگ
وندھیہ ہماچل یمنا گنگا
اُچھل جلدھی ترنگ
تَو شُبھ نامے جاگے
تَو شبھ آشش مانگے
گاہے تو جے گاتھا
جن گن منگل دایک جے ہے
بھارت بھاگیہ ودھاتا
جے ہے۔ جے ہے۔ جے ہے
جے جے جے جے ہے

اس سلسلے کی دوسری کتابیں

کتاب	مصنف	مترجم
باپو (حصّہ اوّل)	مصنف: الف۔ سی۔ فرٹیاس	مترجم: صالحہ عابد حسین
باپو (حصّہ دوم)	〃 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
کشمیر	(تحریر: ملا سنگھ - تصاویر: دیویانند شرما)	مترجم: خدیجہ عظیم
پرندوں کی دنیا	مصنف: جمال آرا	〃 : شفیع الدین نیّر
ہمالیہ کی چوٹیوں پر	〃 : بریگیڈیر گیان سنگھ	〃 : محمد ذاکر
ہماری ندیوں کی کہانی (حصّہ اوّل)	〃 : لیلا مجمدار	〃 : رضیہ سجاد ظہیر
جنّت کی سیر اور دوسری کہانیاں	〃 : لیلاوتی بھاگوت	〃 : 〃 〃 〃
رسیلی کہانیاں	〃 : منوج داس	〃 : صغرا مہدی
آؤ ناٹک کھیلیں	〃 : اوبانند	〃 : رفیعہ منظور الامین
ہماری رلیں	〃 : جگجیت سنگھ	〃 : عرش ملسیانی
آزادی کی کہانی (حصّہ اوّل)	〃 : وشنو پربھاکر	〃 : انور کمال حسینی
ہندوستان میں غیر ملکی سیّاح	〃 : ڈاکٹر کے۔ سی۔ کھنّہ	〃 : 〃 〃 〃
بہت دن ہوئے... (حصّہ اوّل)	〃 : ایم۔ چوکسی اور پی۔ ایم۔ جوشی	〃 : رضیہ سجاد ظہیر
روہنت اور نندیہ	〃 : کرشن چیتنیہ	〃 : انور کمال حسینی
سدا بہار کہانیاں	〃 : شانتا رنگا چاری	〃 : 〃 〃 〃
بڑا پانی	〃 : لیلا مجمدار	〃 : صالحہ عابد حسین
بہادروں کی کہانیاں	〃 : راجندر اوستھی	〃 : انور کمال حسینی
ہاکی کا کھیل	〃 : سردیندر وسانیال	〃 : پریتم لال
مورا	〃 : ملک راج آنند	〃 : انور کمال حسینی
ایجادیں جنھوں نے دنیا بدل ڈالی (حصّہ اوّل)	〃 : میر نجابت علی	〃 : سید احسان
〃 〃 〃 〃 〃 (حصّہ دوم)	〃 : 〃 〃 〃	〃 : 〃 〃

ہر کتاب کی قیمت ۱/۵۰

یہ کتابیں ہندوستان کی سب اہم زبانوں میں مل سکتی ہیں۔

اس سلسلے کی دوسری کتابیں

کتاب	مصنف	مترجم
باپو (حصہ اول)	مصنف : ایف ۔ سی ۔ فریٹاس	مترجم : صالحہ عابد حسین
باپو (حصہ دوم)	〃 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃
کشمیر	(تحریر : ملا سنگھ ۔ تصاویر : پرمانند شرما)	مترجم : خدیجہ عظیم
پرندوں کی دنیا	مصنف : جمال آرا	〃 : شفیع الدین نیر
ہمالیہ کی چوٹیوں پر	〃 : بریگیڈیر گیان سنگھ	〃 : محمد ذاکر
ہماری ندیوں کی کہانی (حصہ اول)	〃 : لیلا مجمدار	〃 : رضیہ سجاد ظہیر
جنت کی سیر اور دوسری کہانیاں	〃 : لیلاوتی بھاگوت	〃 〃 〃 〃
رسیلی کہانیاں	〃 : منوج داس	〃 : صغرا مہدی
آؤ ناٹک کھیلیں	〃 : اوما نند	〃 : رفیعہ منظور الامین
ہماری ریلیں	〃 : جگجیت سنگھ	〃 : عرش ملسیانی
آزادی کی کہانی (حصہ اول)	〃 : وشنو پربھاکر	〃 : انور کمال حسینی
ہندوستان میں غیر ملکی سیاح	〃 : ڈاکٹر کے۔ سی۔ کھنہ	〃 〃 〃 〃
بہت دن ہوئے ... (حصہ اول)	〃 : ایم۔ چوکسی اور پی۔ ایم۔ جوشی	〃 : رضیہ سجاد ظہیر
روہنت اور نندیہ	〃 : کرشن چیتنیہ	〃 : انور کمال حسینی
سدا بہار کہانیاں	〃 : شانتا رنگا چاری	〃 〃 〃 〃
بڑا پانی	〃 : لیلا مجمدار	〃 : صالحہ عابد حسین
بہادروں کی کہانیاں	〃 : راجندر اوستھی	〃 : انور کمال حسینی
ہاکی کا کھیل	〃 : سردیندو سانیال	〃 : پریتم لال
مورا	〃 : ملک راج آنند	〃 : انور کمال حسینی
ایجادیں جنھوں نے دنیا بدل ڈالی (حصہ اول)	〃 : میر نجابت علی	〃 : سید احسان
〃 〃 〃 〃 〃 〃 (حصہ دوم)	〃 〃 〃 〃	〃 〃 〃 〃

ہر کتاب کی قیمت ۱/۵۰

یہ کتابیں ہندوستان کی سب اہم زبانوں میں مل سکتی ہیں۔